معارفِ ملّت

جلد دوم

سلسلۂ منتخبات نظم اردو

معارفِ ملّت

حمد نعت مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ

مرتبہ

محمد الیاس برنی ایم اے۔ ال ال بی (علیگ)
(سابق پروفیسر اکنامکس محمڈن کالج علی گڑھ)
معلم معاشیات جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

جلد دوم

باہتمام محمد مقتدیٰ خاں شروانی
مطبع انسٹی ٹیوٹ علی گڈھ کالج میں طبع ہوئی ۱۳۳۰ھ ۱۹۲۰ء

کس طرح خاک میں ملی یہ عبرتناک داستان ابھی تاریخ ہند میں بیان ہونی باقی
ہے پھر بھی بڑی خیریت ہوئی کہ ظاہری آرایش کی کثرت سے شاعری کا اصلی حسن
چھپا رہا۔ مبالغوں اور لفظی رعایتوں نے خود ہی اس آگ کے شعلہ دبا دیئے
اگر کہیں اس رنگ میں جذبات انشا، مرزا شوق اور میاں نظیر کے طرز پر شاعری
نے اپنا پورا پورا جلوہ دکھایا ہوتا تو پھر قیامت تھی۔ فحش اور مبتذل کلام سے
تو بحث نہیں ان دل سوختوں نے نہ معلوم کتنے نونہال جھلس ڈالے۔ البتہ اس
رنگ کے متین اور مہذب کلام کو لیجیے۔ اس میں ہزار لفظی و معنوی خوبیاں
سہی لیکن تاثیر جو شاعری کی جان ہے کمیاب ہے۔

اگرچہ بہت سا کلام گردش ایام کی نذر ہو گیا۔ تاہم اب بھی نظموں کا
ایک وافر ذخیرہ موجود ہے اور خدا کا شکر ہے کہ جابجا ایسی نظمیں بھی ملتی ہیں جن کے
پاکیزہ اور لطیف مضامین قوم کے واسطے مایۂ حیات اور سرمایۂ مباہات ہیں
جن کے بیان کی صفائی و حقیقت آمیزی اور جن کی زبان کی شگفتگی و بے ساختگی
سے شاعری کی سحرکاریاں جلوہ گر ہیں۔ ایسا کلام خود بخود قلب کو گرماتا اور روح

کو تڑپاتا ہے۔ سوتوں کو جگاتا اور ڈوبتوں کو تراتا ہے۔ ہنستوں کو رلاتا اور
روتوں کو ہنساتا ہے۔ شاعری نے اس میں بلا کا اثر بھر دیا ہے۔ کسی عارضی اور
مصنوعی ذوق کے بجائے خود انسانی فطرت اس کی قبولیت کی ضامن ہے اور
نفسیات کے دربار سے اسی کو بقائے دوام کا فرمان ملا ہے۔

اشاعتِ ادب، ترقی زبان اور اصلاحِ تمدن کی ایک عمدہ سبیل یہ ہے
کہ خاص خاص رنگ کا شاعرانہ کلام مرتب کرکے ناظرین کے روبرو پیش کیا
جائے۔ چنانچہ زندہ دل اور علم دوست قوموں میں ادبی خدمت کا یہ طریق
بہت رائج اور مقبول ہے۔ آئے دن اچھے سے اچھے انتخابات شایع ہوتے
رہتے ہیں اس ترکیب سے مطالعہ کا شوق بڑھتا ہے، ذوقِ سلیم پیدا ہوتا ہے
اور شاعری اپنا کام کر دکھاتی ہے۔

کچھ انتخابات آج کل نصابِ تعلیم میں داخل ہیں۔ بعض شاعروں کا منتخب
کلام بھی شایع ہو رہا ہے لیکن اب تک ایسے مسلسل اور مربوط انتخابات کا
انتظار ہے جو ادبی مرقعوں کا کام دیں۔ بڑی ضرورت یہ ہے کہ شاعری کے

موجودہ رجحانات اور مقامات پیشِ نظر ہو جائیں کہ جو ادیب اور شاعر اپنی
ذمہ داریوں سے واقف ہوں شاعری کی اصلاح و ترقی کی معقول تجاویز
سوچیں اور کارگر تدابیر اختیار کریں۔ اس بات سے پتہ چلا کہ ہماری شاعری کے
بہت سے شعبے توجہ طلب ہیں مثلاً اب تک وہ دین و ملت سے بیگانہ بلکہ برگشتہ
رہی۔ حمد، نعت اور مناجات جن میں کچھ خلوص و نیاز کی چاشنی ہو مشکل سے
ملتی ہیں۔ اور قومی نظمیں تو بو جہ ضرورت ابھی تک تبرک بنی ہوئی ہیں اسی طرح
جذبات کو لیجئے۔ اوّل تو ایشیائی طبیعت یوں ہی حزن پسند ہے دوسرے
اردو شاعری نے قومی تنزل اور تباہی کے دور میں ہوش سنبھالا قدرتاً
کلام بارد اور یاس انگیز ہو۔ دنیا کی بے ثباتی، زمانہ کی گردش، تقدیر کی بندش
فتادگی و خود فراموشی، سکون و خاموشی، جب آگ کا یہ سرگم ہو تو پھر ناممکن ہے
کہ اسے سن کر مال و دولت اور جاہ و حشمت سے دل بیزار نہ ہو۔ شاعری کی
یہ برودت ہماری جیسی مضمحل اور تن آسان پسند قوم کے حق میں بہت خطرناک ہے
کہیں خدانخواستہ جد و جہد کے رہے سہے ولولے اور ترقی کی امنگیں پھر سرد

نہ پڑ جائیں اِس وقت تو کچھ ایسے حار نسخہ کی ضرورت ہے جس سے دلوں کی افسردگی نکلے۔ اولوالعزمی اُبھرے اور لوگوں میں گرمجوشی پھیلے۔ اس طرح گرم سرد اجزا کی آمیزش سے خودبخود شاعری میں ایک صحت بخش اعتدال پیدا ہو جائے گا۔ علیٰ ہذا قدرت کو لیجئے اِس کے بے شمار عجائبات ہمیشہ سے آنکھوں کے سامنے موجود رہے۔ لیکن ہمارے شاعروں نے کہیں اب جاکر نقاشی شروع کی ہے اور ابھی وہ زمانہ دُور ہے جب کہ نیچر کی تصاویر مُنھ سے بولنے لگیں۔ حاصل کلام یہ کہ اُردو شاعری میں گوناگوں اصلاح و ترقی کی ضرورت و گنجایش ہے اور بحالتِ موجودہ غالباً انگریزی شاعری اس کام میں بہت زیادہ مدد دے سکتی ہے۔

اِسی ضرورت کے خیال سے خدا کا نام لے کر ہم منتخبات نظم اُردو کا ایک باقاعدہ سلسلہ شروع کرتے ہیں۔ مجانست مضامین کے لحاظ سے تین جُداگانہ حصے قرار پائے ہیں۔

(۱) معارفِ مِلّت حمد، نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ

(۲) جذباتِ فطرت: یہ مجموعہ غالب مرحوم کے ایک لطیف انکشاف فطرت کی شرح ہے۔

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

(۳) مناظرِ قدرت: اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی دلکش تصاویر کا مرقع۔

ایسے وسیع انتخابات میں سب نظموں کا ادبی حیثیت سے ہم پلہ ہونا نہ تو ممکن ہے نہ مطلوب۔ چنانچہ اساتذہ کے کلام کے پہلو بہ پہلو نومشق اور غیر معروف شاعروں کی طبع آزمائیاں درج ہیں لیکن شاعری کے رنگ و بو سے کوئی نظم خالی نہیں۔ بعض نظمیں جو ادبی لحاظ سے شاید ادنیٰ خیال کی جائیں اس لئے خاص طور پر قابلِ قدر ہیں کہ وہ پہلے پہل نئے نئے ضروری مضامین کے صاف ستھرے خاکے بطور نمونہ پیش کرتی ہیں۔ سچ پوچھئے تو یہ بھی بڑا کام ہے خدا جانے اِنہی کی دیکھا دیکھی آگے چل کر سحر نگار قلم کیسی کیسی

انوکھی اور پیاری تصاویر کھینچ دکھائیں۔ علاوہ بریں ارتقار شاعری کی تحقیق میں یہ نظمیں بھی ناگزیر ہونگی۔ پھر کسی جامع انتخاب میں کیونکر نظرانداز ہوسکتی ہیں اگر کچھ نظمیں بعض حضرات کے لطیف ادبی مذاق پر بار ہوں تو امید ہے کہ وہ معذرت قبول فرمائینگے باینہمہ ان کی ضیافت طبع کے واسطے اساتذہ کا بھی کافی کلام موجود ہے۔ اگر انار کے کچھ دانے کچے ہوں تو اس سے باقی انار کی شیرینی و لطافت میں کچھ فرق نہیں آتا۔

انتخاب و ترتیب کا طریق خود مجموعوں سے ظاہر ہے۔ اصل مضمون پیش نظر رکھ کر نظموں سے غیر ضروری اجزا نکالنا، مفید مطلب مقامات چھانٹ، حسب صلاحیت اُن کو از سر نو ملانا یا جُداگانہ نظموں کی شکل میں لانا پھر نظموں کے موزوں عنوانات قرار دے کر اُن کو مضمون وار اس طرح ترتیب دینا کہ ہر نظم کا موقع محل ایک خاص موزونی اور معنی رکھتا ہو۔ یہ سب تمام کیا تب کہیں اس سلسلہ منتخبات کا ڈول پڑا۔ آیندہ جوں جوں موزوں کلام دستیاب ہوگا ہر حصہ کی متعدد جلدیں بتدریج شایع کی جائیں گی جو

ساخت اور ضخامت کے لحاظ سے تقریباً یکساں ہونگی۔ اُمید ہی کہ اس طرح اُردو شاعری کا ایک وسیع انتخاب مرتب ہوجائیگا۔ انشاءاللہ تعالی۔

جن شاعروں کے کلام سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح و جلا ہوتی ہی اُن کا پورا پورا شکریہ کوئی کس طرح ادا کرے۔ خدائے تعالی اُن کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

ملک کو اُردو اور بالخصوص شاعری کو ایسے انتخابات سے جو فائدہ پہنچیگا اُس کے زیادہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ تجربہ خود بہت جلد ثابت کردیگا۔ اَلسَّعیُ مِنِّی وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔

جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن
اگست سنہ ۱۹۲۰ء

الیاس برنی

معارفِ ملّت

جلد دوم

فہرست مضامین

ہر جلی عنوان سے ایک نیا مضمون شروع ہوتا ہے اور اس کے تحت میں مضامین متجانس درج ہیں

صفحہ

فہرست مضامین جلد دوم

صفحہ

صفحہ

فہرست مضامین جلد دوم

فہرست مضامین جلد دوم

صفحہ

صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معارفِ ملت

۱ معرفت

باطن سے جنھوں کے تئیں خبر ہے ظاہر پہ انھیں تو کب نظر ہے
پتھر میں بھی عشق کا اثر ہے اس آگ سے سوختہ جگر ہے
ہر سنگ میں دیکھ تو شرر ہے

خاموش ہو ترکِ گفتگو کر باطن کی صفائی جستجو کر
حیرت میں وصال آرزو کر آئینۂ دل کو روبرو کر
دیدار نصیبِ نظر ہے

ہستی نے کیا ہے گرم بازار — لیکن ہے یہاں نگاہ درکار
سختی سے نہ رکھ قدم تو زنہار — آہستہ گزر میانِ کہسار

ہر سنگ دکانِ شیشہ گر ہے

دیدار نما ہے شاہدِ گل — اور زلف کشا عروسِ سنبل
جب دل نے مرے کیا تامل — تب پردۂ رنگ و بو گیا کھل

دیکھا تو بہار جلوہ گر ہے

نزدیک و بعید ہے برابر — مت ہو دمِ پاس سے مکدر
آئینۂ وہم ہے سراسر — مانند نگہ نکل تو باہر

تیرے تئیں تجھ تلک سفر ہے

ہر عجز میں کبریا ہے محجوب — ہر نقص میں ہے کمال مطلوب
کوئی نہیں ہے جہاں میں معیوب — آتے ہیں مری نظر میں سب خوب

گر عیب ہے پردۂ ہنر ہے

سلے ور زندہ رموزِ کبریائی — کب سمجھے ہے زاہدِ ریائی
بے عجز نہیں ہے واں رسائی — ہے ہم کو جہاں پہ پرکشائی

پرواز شکستِ بال و پر ہے

۲۔ معرفت

نہ درویشوں کا خرقہ چاہیے نہ تاج شاہانہ مجھے تو ہوش دے اتنا کہ ہوں میں تجھ پہ دیوانہ
کتابوں میں دھرا کیا ہے بہت لکھ کر دھو ڈالیں ہمارے دل پہ نقشِ کالحجر ہے تیرا فرمانہ
نہ دیکھا وہ کہیں جلوہ جو دیکھا خانۂ دل میں
بہت مسجد میں سر مارا بہت ڈھونڈا بت خانہ

ظفر

۳۔ معرفت

گور کنج فراغ ہے اپنا داغ اپنا چراغ ہی اپنا
کون کنجِ حزن میں ہے دم ساز ایک دل سوز داغ ہے اپنا
ڈھونڈھتا ہے خدا کو تو زاہد ہم کو قصدِ سراغ ہی اپنا
اے ظفر کیجے سیرِ وسعتِ دل
کہ یہی باغ و راغ ہے اپنا

ظفر

جلد دوم

۴۔ معرفت

جو بھلے بُرے کی اٹکل نہ مرا شعار ہوتا — نہ جزائے خیر پاتا نہ گنہگار ہوتا
مے بیخودی کا ساقی مجھے ایک جرعہ بس تھا — نہ کبھی نشہ اُترتا نہ کبھی خمار ہوتا
یہ جو عشق جاں ستاں ہے یہ وہ بحرِ بیکراں ہے — نہ سُنا کوئی سفینہ کبھی اس سے پار ہوتا
ہے اس انجمن میں یکساں عدم و وجود میرا
کہ جو میں یہاں نہ ہوتا یہی کاروبار ہوتا

اسمٰعیل

۵۔ حمد

الٰہی تو فیاض ہے اور کریم — الٰہی تو غفار ہے اور رحیم
مقدس معلّیٰ منزہ علیم — نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم
تری ذاتِ والا ہے یکتا قدیم
ترے حسنِ قدرت نے یا کردگار — کیے ہیں جہاں میں وہ نقش و نگار
پہنچتی نہیں عقل انھیں ذرہ وار — تحیر میں ہیں دیکھ کر بار بار
ہیں جتنے جہاں میں ذہین و فہیم

شگفتہ کئے گل بفصلِ بہار عنادل بھی اور قمری و کبک و سار
بر و برگ نخل و شجر شاخ سار طراوت سے خوشبو سے ہنگام کار
رواں کی صبا ہر طرف اور نسیم

بیاں کب ہو خلقت کی انواع کا جو کچھ حصر ہووے تو جاوے کہا
خصوصاً بنی آدمِ خوش لقا شرف ان سبھوں میں انھیں کو دیا
یہ اسلام و ایمان و دینِ قدیم

عطا کی انھیں دولتِ مغفرت عبادت اطاعت نکو منزلت
حیا حسن الفت ادب مصلحت تمیزِ سخن خلق خوش مکرمت
فراواں دیئے اور ناز و نعیم

ترا شکر و احساں ہو کس سے ادا ہمیں مہر سے تو نے پیدا کیا
کئے اور الطاف بے انتہا نظیر اس سوا کیا کہے سر جھکا
یہ سب تیرے اکرام ہیں یا کریم

نظیر

۶۔ مناجاتِ مسلم

بادۂ توحید سے دل کو مرے مخمور رکھ — اور بلائے شرک سے تا زیست مجھکو دور رکھ

دل میں ہو تیری محبت لب پہ تیرا نام ہو — قلب میں ہو استواری اور طریق اسلام ہو

زندگانی میری ہو جائے اطاعت میں بسر — عمر بھر تیری رضا جوئی رہے مدِ نظر

راہِ طاعت میں مجھے آزاد رکھ بیباک رکھ — ہر طرح کے وسوسوں سے دل کو میرے پاک رکھ

غیر کے ہاتھوں میں میرے درد کا درماں نہ ہو — میری خودداری کبھی منت کشِ احساں نہ ہو

غیر کے آگے سرِ تسلیم میرا خم نہ ہو — شانِ اسلامی کبھی ہاتھوں سے میرے کم نہ ہو

آرزو یہ ہے کہ جب تک میرے دم میں دم رہے — گوشہ گوشہ دل کا خودداری کا اک عالم رہے

کردوں تیرے نام پہ جانِ عزیز اپنی فدا

تازیانہ ہو مجھے اللہ اکبر کی صدا

هادی

۷۔ موجِ رحمت

سُنے جو تھی قومِ بنی اسرائیل — صاحبِ مرتبہ و قدرِ جلیل

ان میں درویش تھا اِک نامہ سیاہ — جرم سے کارِ معاد اس کا تباہ

فعل بد ہی میں وہ مصروف مدام — روز و شب جرم ہی تھا اس کو کام

جب تلک اک اس کو ندامت ہوتی — فرطِ عصیاں سے خجالت ہوتی

توبہ کرتا تھا گناہوں سے تب — ایک صبر اس کے تئیں توبہ کب

نفس و ابلیس کا پیرو وہ دنی — تو اماں توبہ و توبہ شکنی

ناگہ ایک بار دیا جی میں قرار

کہ نہ اب توبہ شکن ہو زنہار

وحی آئی وہیں موسیٰ کے تئیں — جا کہہ اس مذنب و رسوا کے تئیں

کہ اگر اب عہد شکن ہوگا تو — جرم و عصیاں ہمہ تن ہوگا تو

توبہ تیری نہیں ہووے گی قبول — کیوں اے زبدۂ اربابِ فضول

پاس درویش کے موسیٰ آئے — حکمِ حق یعنی بجا وے لائے

جو خداوند نے تھا فرمایا — گوش درویش تلک پہنچایا

کہ نہ اب توبہ شکن تو ہونا — رائیگاں وقت نہ اپنا کھونا

ورنہ شایاں جہنم ہوگا

حالِ تعذیب سے درہم ہوگا

کیں جو میں اس نے یہ سب باتیں گوش — آہ جاتا رہا درویش کا ہوش

اس کو اک خوف خداوند رہا　　صبر اس توبہ پہ یک چند رہا
آخر ابلیس نے کی راہ زنی　　پھر ہوئی اس سے یہ توبہ شکنی
لے گیا راہ سے شیطاں اس کو　　کر کے آلودۂ عصیاں اس کو
وحی نازل ہوئی یہ بارِ دگر　　کہ کہہ اس توبہ شکن سے جاکر
وا ہوا تجھ پہ عقوبت کا باب　　ہی تو اب موردِ صد گونہ عذاب
آہ درویش تلک آئے کلیم　　لائے پیغام پُر از خوف و بیم
اس نے جس وقت یہ پیغام سنا　　دیکھکر سوئے فلک سر کو دُھنا

ہو کے مبہوت وہ دیوانہ وار
لب پہ لایا یہ پریشاں گفتار

کا اے خداوند جہاں ذی اکرام　　کیا جگر سوز یہ بھیجا پیغام
طرفہ اس سے مجھے حیرانی ہی　　یک جہاں دل کو پریشانی ہی
ہاں یہ پیغام نہ کیوں جی مارے　　اس کو کیا کہتے ہیں یارب بارے
ہر دم افزوں ہے تحیر میرا　　ق　بحرِ بے ساحلِ رحمت تیرا
ہو گیا خشک سراسر شاید　　عفو دشوار ہے تجھ پر شاید
یا سیہ کاریوں سے اب میری　　رو بہ نقصاں ہوئی بخشش تیری

یا خزف نے وہ ترے عفو کے سب — تھے جو معمور۔ تہی ہو گئے سب

یا وہ تیرا کرم اے جملہ عطا — نہ رہا۔ بخل سے تبدیل ہوا

اے گنہ بخش عبادِ بدکار — اے پذیرندۂ عذر۔ اے غفار

تجھکو بخشندہ نہ جانوں کیوں کر — تو نہ بخشے مجھے مانوں کیوں کر

کرم و رحم صفت ہے تیری — حسد و بخل ہے سیرت میری

تجھ میں ہے شانِ کریمی بالذات — تو قدیم اور قدیمی یہ صفات

میں ہوں حادث میری وہمی ہی نمود — اصل پر اصل ہی تیرا ہی وجود

جو دمحمود ہے جو تجھ میں ہے — بخل مذموم ہے سو مجھ میں ہی

میں ہمہ نقص ہوں تو جملہ کمال — تجھکو دائم ہے بقا مجھکو زوال

میں کہ عصیان ہی ہوں سر تا سر ق — تیرا شائستہ رحمت نہیں گر

تو گنہ سارے گنہگاروں کا — قبح اعمال سیہ کاروں کا

کر مری جانِ المناک سے ضم — مجھکو اس کا نہیں ہرگز کچھ غم

آپ کو اے شہِ تسلیم و فا — تیرے بندوں پہ فدا میں نے کیا

کیں اس آشفتہ نے یہ باتیں سب
عرض درگاہ خداوند میں جب

وحی پھر آئی کہ اے موسیٰ ہاں کہہ یہ اس بندے سے میری تو داں

کاے جگر خستہ الم کش درویش ہیں جرائم ترے گو بیش از بیش

لیک غمگیں نہ رہ اب تو بارے ہم نے بخشے وہ جرائم سارے

وجہ یہ ہے کہ یقیں کامل تر ہے ہماری تجھے آمرزش پر

ہے یقیں تیرا خوش آیا ہم کو تیرے رحم میں لایا ہم کو

تیرا ایقان ترے کام آیا ہم کو یہ شیوۂ احسن بھایا

قطع کی ہم نے نہ تیری اُمید

کی عطا تجھکو بہشتِ جاوید

داغ

۸۔ نعت

حبیبِ خدا ہے محمدؐ ہمارا شہِ انس و جاں ہے محمدؐ ہمارا

فلک پر گیا ہے محمدؐ ہمارا خدا سے ملا ہے محمدؐ ہمارا

خدا سے ہے کم اور سب سے زیادہ دو جگ میں بڑا ہے محمدؐ ہمارا

نہ پایا کوئی حق کی وحدت کا مطلب مگر جانتا ہے محمدؐ ہمارا

زمانہ کو جس نے رہِ حق دکھایا   وہی پیشوا ہے محمدؐ ہمارا

معظم ہمیں اپنے عصیاں کا غم کیا
شفیع الورا ہے محمدؐ ہمارا

معظم

۹۔ ترانۂ معراج

خدا رُخ سے پردہ اُٹھاتا ہے آج   محمدؐ کو جلوہ دکھاتا ہے آج
حبیبِ خدا شافعِ دوسرا   مبارک ہو معراج پاتا ہے آج
وہ مطلوب طالب ہے جس کا خدا   عجب شان و شوکت سے جاتا ہے آج
خبر آمدِ مقدمِ پاک کی   فرشتوں کو خالق سناتا ہے آج
کرو خلد کو جلد آراستہ   کہ سردار جنت کا آتا ہے آج

مُبارک ہو اے عاصیو پُرگناہ
شفاعت کا مژدہ سُنا ہی آج

عاشق

۱۰- یادِ نبی صلعم

سپنے میں آجاؤ کملی والے درشن دکھا جاؤ کملی والے

تو مورا بلما میں توری چیری تو مورا رجاؤ کملی والے

بھبوت رمایو ہی تورے کارن جوگن بنا جاؤ کملی والے

نیا کا مورو کو ہے کھویا پار لگا جاؤ کملی والے

مولا ملن کا کوؤ ٹھکانا

کچھ تو بتا جاؤ کملی والے

ظہیری

۱۱- مدینہ کی جوگن

کوئی ایسی سکھی چاتر نہ ملی موہی پی کے دواری بٹھا دیتی

میں نے راہ مدینہ کی دیکھی نہیں موری بیاں پکڑ کے بتا دیتی

پیا سات سمندر پار بسو مورے پگ میں نہ چلنے کا زور رہا

نہیں جاتی مدینہ میں کوئی ہوا موہی ملکِ عرب میں اُڑا دیتی

ں تو سونی سیجریا پہ تڑپت ہوں پیا دیس عرب میں براجت ہیں
می دیتے جو سپنے میں درس دکھا وہیں چرنوں پہ سیس نوا دیتی

موہے من میں ہے اب تو جوگنیا بنوں اور مل کے بھبوت مدینہ چلوں
سکھی ہند کی نگری میں کاہے رہوں نہیں پیت تعین فرادیتی

وری میکے میں عمر تو ٹنکہ سے کٹی چلی پی کی نگریا تو سوچ پڑی
ری گوئیاں بھی ساتھ نہ آئی موری موہے ریت وہاں کی بتادیتی

ممتاز

۱۲۔ شوقِ مدینہ شریف

بنی ہند میں ہم ٹھوکریں کھائیں کب تک — دیکھئے آپ مدینہ میں بلائیں کب تک
ھر کے آتے ہیں جو زائر ہیں کرتے ہیں خجل — بات بگڑی ہوئی لوگوں سے بنائیں کب تک

چل زیارت کو بہانے نہیں اچھے ہیں امیر
جمع کر دل کو پریشان یہ رائیں کب تک

امیر

۱۳۔ سفرِ آخرت

کچھ دن بشر اس خانۂ دنیا میں ہے مہماں ۔۔۔ دستِ ملک الموت میں ہے سب کا گریباں

زندوں میں ہیں گر آج تو کل ہوویں گے بے جاں ۔۔۔ پہلے سے ہی لازم ہے سفرِ مرگ کا ساماں

اعمال و عقائد میں نہ ہرگز خلل آئے

کیا جانیے کس وقت پیامِ اجل آئے

بھائی نہ تو کام آئے گا اس وقت نہ فرزند ۔۔۔ عرصہ نہیں کھل جائیگا جب آنکھ ہوئی بند

وہ کام کرو جس سے خدا ہووے رضامند ۔۔۔ ہوشیار کہ ہونا ہے تمھیں خاک کا پیوند

پیری کی بھی مدت ہے جوانی کی بھی حد ہے

آرام گہِ شاہ و گدا کنجِ لحد ہے

اس زیست پہ پھولا نہ اجل کو بھی کرو یاد ۔۔۔ گھر سیکڑوں یاں سیلِ فنا نے کیے برباد

دنیا میں عمارت نہ بنا کر ہو کوئی شاد ۔۔۔ اس قالبِ خاکی کی عجب سست ہے بنیاد

کل اوج پہ جو لوگ تھے وہ زیرِ زمیں ہیں

ہیں خاک کا ڈھیر اب تو مکاں جن کے کہیں ہیں

دنیا یہ سدا عبرت و اندیشہ کی جا ہے ۔۔۔ یاں کیا مقام آٹھ پہر کوچ لگا ہے

جاتے ہیں چلے مرگ کا دروازہ کھلا ہے رہجائے نہ کوئی یہی آواز درا ہے جلد دوم

ہے راہ کڑی زادِ سفر پاس نہیں ہے

منزل پہ پہنچنے کی ہمیں آس نہیں ہے

انیس

۱۴- امدادِ نبی صلعم

سخت مشکل ہے کہ وقتِ جاں کنی ہوتی ہے شیطاں کو فکرِ رہ زنی

کشمکش میں یاں تو اپنی جان ہے واں وہ دشمن درپے ایمان ہے

سخت طوفانِ بلا ہے نزعِ روح آپ اس طوفانِ آفت کے ہیں نوح

ایسی مشکل میں خبر لیجئے مری سیدِ عالم مدد کیجئے مری

جب تباہی میں پڑے میرا جہاز مشکل آساں کیجئے بندہ نواز

اس گھڑی رحم آپ کا درکار ہے

گر کرم کیجے تو بیڑا پار ہے

شہید

۱۵۔ شفاعتِ نبیؐ صلعم

فکر رہتی ہے مجھے یہ روز و شب | روزِ محشر ہوں گے سب جب دطلب
کون پوچھے گا مجھے سرکار میں | ہاتھ خالی میں چلا دربار میں
ہاتھ خالی اس طرف جاتا ہوں میں | اور تہیدستی سے شرماتا ہوں میں
عابدوں کے ساتھ کیوں کر جاؤں میں | روسیہ ہوں منہ کسے دکھلاؤں میں
باپ بیٹے کا نہ بیٹا باپ کا | آسرا واں ہے تو بیشک آپ کا

دستگیرا دستگیری کیجئے
آبرو میری وہاں رکھ لیجئے

شہید

۱۶۔ پہلے مسلمان

سب اسلام کے حکم بردار بندے | سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خدا اور نبیؐ کے وفادار بندے | یتیموں کے رانڈوں کے غمخوار بندے

رہِ کفر و باطل سے بیزار سارے
نشہ میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے — کہانت کی بنیاد ڈھا دینے والے
سر احکامِ دیں پر جھکا دینے والے — خدا کے لئے گھر لٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی — فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی — شریعت کے قبضے میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ

کفایت جہاں چاہیئے وھاں کفایت — سخاوت جہاں چاہیئے وھاں سخاوت
جچی اور تلی دشمنی اور محبت — نہ بے وجہ الفت نہ بے وجہ نفرت
جھکا حق سے جو جھک گئے اس سے وہ بھی
رکا حق سے جو رک گئے اس سے وہ بھی

حالی

۱۷۔ قحطِ اہل اللہ

پڑی ہیں سب اجڑی ہوئی خانقاہیں — وہ درویش و سلطاں کی اُمیدگاہیں

جلددوم کھُلی تھیں جہاں علم باطن کی راہیں فرشتوں کی پڑتی تھیں جن پرنگاہیں
کہاں ہیں وہ جذبِ الٰہی کے پھندے
کہاں ہیں وہ اللہ کے پاک بندے

بہت لوگ پیروں کی اولاد بن کر نہیں ذات والا میں کچھ جن کے جوہر
بڑا فخر ہی جن کو لے دے کے اس پر کہ تھے ان کے اسلاف مقبولِ داور
کرشمے ہیں جا جا کے جھوٹے دکھاتے
مُریدوں کو ہیں لوٹتے اور کھاتے

یہ ہیں جادہ پیمائے راہِ طریقت مقام ان کا ہی ماورائے شریعت
انھیں پر ہی ختم آج کشف وکرامت انھیں کے ہے قبضہ میں بندوں کی قسمت
یہی ہیں مُراد اور یہی ہیں مُرید اب
یہی ہیں جنید اور یہی بایزید اب

حالی

۱۸۔ نام کے مشائخ

بہت سے راہ زنی کررہے ہیں بن کر پیر غریب قوم کو ہیں مارتے یہ شاہ مدار

ہزار دانہ کی تسبیح گیروا کپڑے — یہی ہیں ان میں علاماتِ اولیائے کبار
اگر ہیں یاد تصوف کی اصطلاحیں چند — تو پہنچا عرشِ معلیٰ پہ گوشۂ دستار
کسی سے نقد، کہیں جنس اور کہیں دعوت — جو بس چلے تو نہ چھوڑیں مرید کا گھر بار
یہ مومنوں سے بھی جزیہ وصول کرتے ہیں — فتوحِ غیب رکھیں اس کا نام یا ادرار
رجوعِ خلق کی خاطر ہوئے ہیں گوشہ نشیں — کہ جیسے جھیل پہ بیٹھے شکر کے بوتیمار

یہ ناز ہے کہ بزرگوں کے نام لیوا ہیں
اگرچہ ننگِ بزرگاں ہوں آپ کے اطوار

اسمٰعیل

١٩۔ قحطِ علمائے دین

وہ علمِ شریعت کے ماہر کدھر ہیں — وہ اخبارِ دیں کے مبصر کدھر ہیں
اصولی کدھر ہیں مناظر کدھر ہیں — محدث کہاں ہیں مفسر کدھر ہیں

کہ مجلس جو کل سربسر تھی چراغاں
چراغ اب کہیں ٹمٹماتا نہیں واں

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر — کہاں ہیں وہ علمِ الٰہی کے دفتر

بندِ دوم

چلی ایسی اس بزم میں بادِ صرصر — بجھیں مشعلیں نورِ حق کی سراسر

رہا کوئی ساماں نہ مجلس میں باقی

صُراحی نہ طنبور مطرب نہ ساقی

مدارس وہ تعلیمِ دیں کے کہاں ہیں — مراحل وہ علم و یقیں کے کہاں ہیں

وہ ارکان شرعِ متیں کے کہاں ہیں — وہ وارث رسولِ امیں کے کہاں ہیں

رہا کوئی اُمت کا ملجا نہ ماویٰ

نہ قاضی، نہ مفتی، نہ صوفی، نہ مُلّا

بہت لوگ بن کر ہوا خواہ اُمت — سفیہوں سے منوا کے اپنی فضیلت

سدا گاؤں در گاؤں نوبت بہ نوبت — پڑے پھرتے ہیں کرتے تحصیلِ دولت

یہ ٹھیرے ہیں اسلام کے رہنما اب

لقب ان کا ہے وارثِ انبیا اب

حالی

۲۰۔ آثارِ صنادیدِ اسلام

کیا جا کے آباد ہر ملک ویراں — مُہیا کیے سب کے راحت کے ساماں

خطرناک تھے جو پہاڑ اور بیاباں　　انھیں کر دیا رشکِ صحنِ گلستاں
بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا انھیں کی لگائی ہوئی ہے

یہ ہموار سڑکیں یہ راہیں مصفّا　　دو طرفہ برابر درختوں کا سایا
نشاں جا بجا میل و فرسخ کے برپا　　سرِ رہ کوئیں اور سرائیں مہیا
انھیں کے ہیں سب نے یہ چربے اُتارے
اسی قافلے کے نشاں ہیں یہ سارے

نہیں اس طبق پر کوئی برِّ اعظم　　نہ ہوں جس میں ان کی عمارات محکم
عرب، ہند، مصر، اندلس، شام، دیلم　　بناؤں سے ہے ان کی معمور عالم
سرِ کوہِ آدم سے تا کوہِ بیضا
جہاں جاؤ گے کھوج پاؤ گے ان کا

وہ سنگیں محل اور وہ ان کی صفائی　　جمی جن کے کھنڈروں پہ ہے آج کائی
وہ مرقد کہ گنبد تھے جن کے طلائی　　وہ معبد جہاں جلوہ گر تھی خدائی
زمانہ نے گو ان کی برکت اُٹھائی
نہیں کوئی ویرانہ پر ان سے خالی

ہندی مسلمانوں کا ترانہ

اے اجنبی مگر تو واقف نہیں عرب سے جو پوچھتا ہی ہم سے نام و نشاں ہمارا
مسکن قدیم اپنا ہے سرزمین بطحا پہلے ہوا جہاں سے چشمہ رواں ہمارا
جو چاہی دیکھ آئے بیت الحرام مکہ قایم ہی اس زمیں پر اب تک نشاں ہمارا
مرجع ہمارا اب تک ہی خاک پاک یثرب جس خاک میں ہی سوتا وہ گلہ باں ہمارا

ہم اہلِ بادیہ ہیں اسلام کے فدائی
اس دین کے فدائی اس نام کے فدائی

وہ آبنائے مغرب یعنی کہ جبل طارق صدیوں اٹا کیا ہی اس پر نشاں ہمارا
ہرقل کا تاج اب بھی ہی زیب سر ہمارے ہی پائے بوس اب تک تختِ کیاں ہمارا
یہ سرزمین مشرق کہتے ہیں ہند جس کو قرنوں رہا ہی اس پر سکہ رواں ہمارا
پہنچے ہیں ہم یہاں تک خیبر کو پار کرکے کیا روکتا ہمالہ بحرِ رواں ہمارا

مدت تک اس زمیں پر کی ہم نے حکمرانی
صدیوں رہا ہے تابع ہندوستاں ہمارا

ہندوستاں میں رہتے گزری ہیں آٹھ صدیاں ہر ذرہ اس زمیں کا ہے رازداں ہمارا

ماں باپ ہیں ہمارے مدفونِ خاک اس میں
اس خاک سے بنا ہے ہر نوجواں ہمارا

بیجا نہیں جو اس کو سمجھیں وطن ہم اپنا
زیبا ہے گر کہیں ہم ہندوستاں ہمارا

بھارت ہماری ماں ہے ہم اس کے بالکا ہیں
ہے اب تو برج باشی کُل خانداں ہمارا

بیوپار ہے ہمارا حُبِّ وطن کا سودا
اس جنس کا ہے جویا یہ کارواں ہمارا

دیوانہ

۲۲ حُبِّ قوم

یہ پہلا سبق تھا کتابِ ہدیٰ کا
کہ ہے ساری مخلوق کنبہ خدا کا

وہی دوست ہے خالقِ دوسرا کا
خلائق سے ہے جس کو رشتہ ولا کا

یہی ہے عبادت یہی دین و ایماں
کہ کام آئے دُنیا میں انساں کے انساں

عمل جن کا ہے اس کلامِ متیں پر
وہ سر سبز ہیں آج رُوئے زمیں پر

تفوق ہے ان کو کہیں و مہیں پر
مدارِ آدمیت کا ہے اب انھیں پر

شریعت کے جو ہم نے پیمان توڑے
وہ لیجا کے سب اہلِ مغرب نے جوڑے

وہ ملک اور ملّت پہ اپنی فدا ہیں سب آپس میں ایک اک کے حاجت روا ہیں
اُولوالعلم ہیں ان میں یا اغنیا ہیں طلب گار بہبودِ خلقِ خدا ہیں
یہ تمغا تھا گویا کہ حصّہ انھیں کا
کہ حُبُّ الوطن ہے نشاں مومنیں کا

امیروں کی دولت غریبوں کی ہمت ادیبوں کی انشا حکیموں کی حکمت
فقیہوں کے خطبے شجاعوں کی جرأت سپاہی کے ہتیار شاہوں کی طاقت
دلوں کی اُمیدیں اُمنگوں کی خوشیاں
سب اہلِ وطن اور وطن پر ہیں قرباں

عروج ان کا تم جو عیاں دیکھتے ہو جہاں میں انھیں کامراں دیکھتے ہو
مطیع ان کا سارا جہاں دیکھتے ہو انھیں برتر از آسماں دیکھتے ہو
یہ ثمرے ہیں ان کی جواں مردیوں کے
نتیجے ہیں آپس کی ہمدردیوں کے

حالی

۲۴- ہمدردیِ قوم

ہمارا یہ حق تھا کہ سب یار ہوتے مصیبت میں یاروں کے غمخوار ہوتے

سب ایک اک کے باہم مددگار ہوتے عزیزوں کے غم میں دل افگار ہوتے

جب اُلفت میں یوں ہوتے ثابت قدم ہم
تو کہہ سکتے اپنے کو خیر الامم ہم

اگر بھولتے ہم نہ قولِ پیمبر کہ ہیں سب مسلمان باہم برادر
برادر ہے جب تک برادر کا یاور مُعیں اس کا ہے خود خداوند داور

تو آتی نہ بیڑے پہ اپنے تباہی
فقیری میں بھی کرتے ہم بادشاہی

وہ گھر جس میں ہوں دل ملے سب کے باہم خوشی ناخوشی میں ہوں سب یار ہمدم
اگر ایک خوش دل تو گھر سارا خرّم اگر ایک غمگیں تو دل سب کے پُرغم

مبارک ہے اس قصرِ شاہنشہی سے
جہاں ایک دل ہو مکدّر کسی سے

حالی

۲۴ - دستگیریِ قوم

بیٹھے بے فکر کیا ہو ہموطنو اُٹھو اہلِ وطن کے دوست بنو

مرد ہو تو کسی کے کام آؤ ورنہ کھاؤ پیو چلے جاؤ
جب کوئی زندگی کا لطف اٹھاؤ دل کو دکھ بھائیوں کے یاد دلاؤ
پہنو جب کوئی عمدہ تم پوشاک کرو دامن سے تا گریباں چاک
کھانا کھاؤ تو جی میں تم شرماؤ ٹھنڈا پانی پیو تو اشک بہاؤ
کتنے بھائی تمہارے ہیں نادار زندگی سے ہے جن کا دل بیزار
نوکروں کی تمہارے جو ہے غذا ان کو وہ خواب میں نہیں ملتا
جس پہ تم جوتیوں سے پھرتے ہو واں میسر نہیں وہ اوڑھنے کو
کھاؤ تو پہلے لو خبر ان کی جن پہ بپتا ہے نیستی کی پڑی
پہنو تو پہلے بھائیوں کو پہناؤ کہ ہے اترن تمہاری جن کا بناؤ

ایک ڈالی کے سب ہیں برگ و ثمر
ہے کوئی ان میں خشک اور کوئی تر

مقبلو مدبروں کو یاد کرو خوش دلو غمزدوں کو شاد کرو
جاگنے والو غافلوں کو جگاؤ تیرنے والو ڈوبتوں کو تراؤ
تندرستی کا شکر کیا ہے بتاؤ رنج بیمار بھائیوں کا بٹاؤ
تم اگر چاہتے ہو ملک کی خیر نہ کسی ہموطن کو سمجھو غیر

ہو مسلمان اس میں یا ہندو بو دو مذہب ہو یا کہ ہو برہمو
سب کو میٹھی نگاہ سے دیکھو سمجھو آنکھوں کی پُتلیاں سب کو

ملک ہیں اتفاق سے آزاد
شہر ہیں اتفاق سے آباد

گر رہا چاہتے ہو عزت سے بھائیوں کو نکالو ذلت سے
ان کی عزت تمہاری عزت ہے ان کی ذلت تمہاری ذلت ہے
قوم کا مبتذل ہے جو انسان بے حقیقت ہے گرچہ ہے سلطاں
قوم دنیا میں جس کی ہے ممتاز ہے فقیری میں بھی وہ با اعزاز
عزتِ قوم چاہتے ہو اگر جا کے پھیلاؤ ان میں علم و ہنر
ذات کا فخر اور نسب کا غرور اُٹھ گئے اب جہاں سے یہ دستور
اب نہ سید کا افتخار صحیح نہ برہمن کو شدر پر ترجیح
قوم کی عزت اب ہُنر سے ہے علم سے یا کہ سیم و زر سے ہے
کوئی دن میں وہ دور آئے گا بے ہُنر بھیک تک نہ پائے گا
نہ رہیں گے سدا یہی دن رات یاد رکھنا ہماری آج کی بات

گر نہیں سنتے قول حالی کا
پھر نہ کہنا کہ کوئی کہتا تھا

۲۵۔ حُبِّ وطن

اے دل اے بندۂ وطن ہشیار — خوابِ غفلت سے ہو ذرا بیدار
او شرابِ خودی کے متوالے — گھر کی چوکھٹ کے چومنے والے
نام ہے کیا اسی کا حبِّ وطن — جس کی تجھکو لگی ہوئی ہے لگن
کبھی بچوں کا دھیان آتا ہی — کبھی یاروں کا غم ستاتا ہی
یاد آتا ہے اپنا شہر کبھی — لو کبھی اہلِ شہر کی ہے لگی
نقش ہیں دل پہ کوچہ و بازار — پھرتے آنکھوں میں ہیں در و دیوار
کیا وطن کی یہی محبت ہے — یہ بھی اُلفت میں کوئی اُلفت ہی
اس میں انساں سے کم نہیں ہیں درند — اس سے خالی نہیں چرند و پرند
جاکے کابل میں آم کا پودا — کبھی پروان چڑھ نہیں سکتا
آکے کابل سے یہاں بہی و انار — ہو نہیں سکتے بارور زنہار
مچھلی جب چھوٹتی ہی پانی سے — ہاتھ دھوتی ہے زندگانی سے
گھوڑی جب کھیت سے بچھڑتے ہیں — جان کے لالے ان کے پڑتے ہیں
گائے یا بھینس اونٹ یا بکری — اپنے اپنے ٹھکانے خوش ہیں سبھی

کہئے حُبِّ وطن اسی کو اگر
ہم سے حیواں نہیں ہیں کچھ کمتر

حالی

۲۶- حُبِّ وطن

حُبّ الوطن زِ ملکِ سُلیماں نکوتر ست
خارِ وطن ز سُنبل و ریحاں نکوتر ست

سلطانِ دل کا گرچہ یہی حکم عام ہے
اور متفق اسی پہ زمانہ تمام ہے

پر ملک مصلحت کا ہے کچھ انتظام اور
اس سلطنت کو چاہیئے طرزِ نظام اور

حُبِّ وطن اسے نہیں کہتے کہ باغ سے
نکلے جو گُل تو خاک ہو فرقت کے داغ سے

حُبِّ وطن نہ یہ ہے کہ پانی میں گر نہ ہو
ماہی کی زندگی کسی صورت بسر نہ ہو

حُبِّ وطن اسے بھی نہیں کہتے اہلِ دید
آرام جاں وطن کو جو سمجھیں گھروں میں عید

آبِ خنک ہو سامنے اور نانِ گرم ہو
اور وقتِ خواب فرش بھی سونے کو نرم ہو

حُبِّ وطن اسے بھی نہیں کہتے اہلِ ہوش
یادِ وطن میں ہووے گہے جوش گہہ خروش

بچوں کی طرح روتے سدا زار زار ہوں
اور مادر و پدر کے لئے بے قرار ہوں

اہل و عیال کا نہ گوارا فراق ہو
اور یار کا فراق بہت دل پہ شاق ہو

جلد دوم

حبِّ وطن اسے نہیں کہتے کہ گھر رہیں   بچوں کے منہ کو چومتے آٹھوں پہر رہیں

ہر کوئی گود میں کوئی گردن کا ہار ہے   بی بی کہیں میاں کو بہت مجھ سے پیار ہے

اے دوست یہ تو دوستیِ سنگ و خشت ہے   یہ دوستی تو خوب نہیں بلکہ زشت ہے

اب میں تمھیں بتاؤں کہ حبِّ وطن ہے کیا   وہ کیا چمن ہے اور وہ ہوائے چمن ہے کیا

وہ رحمتِ خدا کہ جو بندوں پہ عام ہے   وہ لطفِ عام جس سے جہاں شادکام ہے

وہ نورِ مہر جس سے زمانہ میں نور ہے   وہ نور ذرہ ذرہ پہ جس کا ظہور ہے

حبِّ وطن ہے جلوہ اسی نورِ پاک کا   اور روشن اس کے نور سے عالم ہے خاک کا

ہو مہر میں یہ نور تو اس کو کرن کہیں   گر دل سے جلوہ گر ہو تو حبِّ وطن کہیں

رکھتا جو سب پہ لطف و کرم کی نگاہ ہو   اور دل سے ہر بشر کے لئے خیر خواہ ہو

آوارۂ سفر ہو کہ موجود گھر میں ہو   ہاتھ اپنا جیبِ نفع میں ہو یا ضرر میں ہو

ہر حال میں رہیں اسے اہلِ وطن عزیز   اور ہوویں نیک و بد مثلِ جان و تن عزیز

حبّ الوطن ہے نور میں ہم نورِ آفتاب   اور کرتا ہے ظہور بدستورِ آفتاب

اس کا بھی روز و شب کی طرح ہیر پھیر ہے   اک جا جو روشنی ہے تو اک جا اندھیر ہے

آج اس کا آفتاب ہے اوجِ فرنگ پر   اور رات ہند کی ہے رخِ تیرہ رنگ پر

ہے کچھ حساب اور وہاں کی کتاب کا   رکھتا ورق ورق ہے نشاں آفتاب کا

جانباز ہیں تو بہرِ وطن جاں نثار ہیں اور تیغ عزم رکھتے سدا آبدار ہیں جلد دوم
قایم ہو تاکہ دبدبہ اہلِ غرور پر اور بیٹھے سکہ ملک کا نزدیک و دور پر
وہ مال کچھ سمجھتے نہیں نقد جان کو
دیتے ہیں شان اپنے وطن کے نشان کو

آزاد

۲۷۔ کاہل بیکار

نہیں کرتے کھیتی میں جو جانفشانی نہ ہل جوتتے ہیں نہ دیتے ہیں پانی
پہ جب یاس کرتی ہے دل پر گرانی تو کہتے ہیں حق کی ہے نامہربانی
نہیں لیتے کچھ کام تدبیر سے وہ
سدا لڑتے رہتے ہیں تقدیر سے وہ

کبھی کہتے ہیں ہیچ ہیں سب یہ ساماں کہ خود زندگی ہے کوئی دن کی مہماں
دھری سب رہ جائیں گی کاخ و ایواں نہ باقی رہے گی حکومت نہ فرماں
ترقی اگر ہم نے کی بھی تو پھر کیا
یہ بازی اگر جیت لی بھی تو پھر کیا

کبھی کہتے ہیں زہر ہے مال و دولت — اُٹھاتے ہیں جس کے لئے رنج و محنت
اسی سے گناہوں کی ہوتی ہے رغبت — اسی سے دماغوں میں آتی ہے نخوت

یہی حق سے کرتی ہے بندوں کو غافل
ہوئے ہیں عذاب اس سے قوموں پہ نازل

کبھی کہتے ہیں سعی و کوشش سے حاصل — کہ مقسوم بن کوششیں سب ہیں باطل
نہیں ہوتی کوشش سے تقدیر زائل — برابر ہیں یہاں محنتی اور کاہل

ہلانے سے روزی کی گر ڈور ملتی
تو روٹی نکموں کو ہرگز نہ ملتی

نکموں کے ہیں سب یہ دلکش ترانے — سلانے کو قسمت کے رنگیں فسانے
اسی طرح کے کرکے حیلے بہانے — نہیں چاہتے دست و بازو ہلانے

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

سنی تم نے یہ جس جماعت کی حالت — تنزل کی بنیاد ہے یہ جماعت
بگڑتی ہیں قومیں اسی کی بدولت — ہوا اس کی ہے مفسدِ ملک و ملت

کیا صور و صیدا کو برباد اسی نے
بگاڑا دمشق اور بغداد اسی نے

جہاں ہی زمیں پر نحوست ہی ان کی
جدھر ہی زمانہ میں نکبت ہے ان کی
مصیبت کا پیغام کثرت ہی ان کی
تباہی کا لشکر جماعت ہی ان کی

وجود ان کا اصل البلیات ہی یاں
خدا کا غضب ان کی ہستات ہی یاں

سب ایسے تن آسان و بیکار و کاہل
تمدن کے حق میں ہیں زہر ہلاہل
نہیں ان سے کچھ نوع انساں کو حاصل
نہیں ان کی صحبت کہ ہی سم قاتل

یہ جب پھیلتی ہی سمٹتی ہی دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتی ہی گھٹتی ہی دولت

جہاں بڑھ گئی ان کی تعداد حد سے
ہوئی قوم محبوب سب دام و دد سے
رہا اس کو بہرہ نہ حق کی مدد سے
وہ اب بچ نہیں سکتی نکبت کی زد سے

بچو ایسے شوموں کی پرچھائیوں سے
ڈرو ایسے چپ چاپ ہیمائیوں سے

حالی

۲۸۔ مستعد کار

مگر اک فریق اور ان کے سوا ہے
شرف جن سے نوع بشر کو ملا ہے

جلد دوم

سب اس بزم میں جن کا نور و ضیا ہے　　سب اس باغ کی جن سے نشو و نما ہے

ہوئے جو کہ پیدا ہیں محنت کی خاطر

بنے ہیں زمانہ کی خدمت کی خاطر

نہ راحت طلب ہیں نہ ملت طلب وہ　　لگے رہتے ہیں کام میں روز و شب وہ

نہیں لیتے دم ایک دم بے سبب وہ　　بہت جاگ لیتے ہیں سوتے ہیں تب وہ

وہ تھکتے ہیں اور چین پاتی ہے دنیا

کماتے ہیں وہ اور کھاتی ہے دنیا

مشقت میں عمر ان کی کٹتی ہے ساری　　نہیں آتی آرام کی ان کی باری

سدا بھاگ دوڑ ان کی رہتی ہی جاری　　نہ آندھی میں عاجز نہ مینہ میں ہیں عاری

نہ لو جیٹھ کی دم تڑاتی ہی ان کا

نہ ٹھر ماہ کی جی چھڑاتی ہی ان کا

خدا نے عطا کی ہے جوان کو قوت　　سمائی ہی دل میں بہت اس کی عظمت

نہیں پھیرتی ان کا منہ کوئی زحمت　　نہیں کرتی زیر ان کو کوئی صعوبت

بھر وسے پہ اپنے دل و دست و پا کے

سمجھتے ہیں ساتھ اپنے لشکر خدا کے

انھیں سے ہے آباد ہر ملک و دولت — انھیں سے ہے سرسبز ہر قوم و ملت
انھیں پر ہے موقوف قوموں کی عزت — انھیں کی ہے سب ربع مسکوں میں برکت
دم ان کا ہے دنیا میں رحمت خدا کی
انھیں کو ہے پھبتی خلافت خدا کی

حالی

۲۹- کوشش

بے کوشش و بے جہد ثمر کس کو ملا ہے — بے غوطہ زنی گنج گہر کس کو ملا ہے
بے خون پیئے لقمۂ تر کس کو ملا ہے — بے جور کشی تاج ظفر کس کو ملا ہے
بے خاک کے چھانے ہوئے زر کس کو ملا ہے — بے کاوش جاں علم و ہنر کس کو ملا ہے
جو رتبۂ والا کے سزاوار ہوئے ہیں
وہ پہلے مصیبت کے طلبگار ہوئے ہیں

کوشش ہی نے اجرام سماوی کو ہے تولا — کوشش ہی نے طبقات زمیں کو ہے ٹٹولا
کوشش ہی نے رستہ نئی دنیا کا ہے کھولا — کوشش ہی نے گوہر ہے تہ بحر سے رولا
کوشش ہی کا طوطی ہے سدا دہر میں بولا — کوشش سے ہے غرض طرفہ طلسمات کا گولا

قدرت نے فتوحات کی رکھی ہے یہی راہ
سعی اپنی طرف سے ہو تو اتمام من اللہ

اسمٰعیل

۳۰۔ کوشش

ہوا کچھ وہی جس نے یاں کچھ کیا ہے — لیا جس نے پھل بیج بو کر لیا ہے
کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے — مثل ہے کہ کرتے کی سب بِدیا ہے

یونھیں وقت سو سو کے ہیں جو گنواتے
وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں زک اٹھاتے

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا — کہ ارکان دیں بھی اسی پر ہیں برپا
جنھیں ہو نہ دنیائے فانی کی پروا — کریں آخرت کا ہی وہ کاش سودا

نہیں ملتے دنیا کی خاطر اگر تم
تو لو دین حق کی ہی اٹھکر خبر تم

حالی

۳۱۔ راہ ترقی

مشقت کی ذلت جنھوں نے اٹھائی — جہاں میں ملی ان کو آخر بڑائی

کسی نے بغیر اس کے ہرگز نہ پائی — فضیلت نہ عزت نہ فرماں روائی

نہال اس گلستاں میں جتنے بڑھے ہیں

ہمیشہ وہ نیچے سے اوپر چڑھے ہیں

نہ بونصر تھا نوع میں ہم سے بالا — نہ تھا بوعلی کچھ جہاں سے نرالا

طبیعت کو بچپن ہی محنت میں ڈالا — ہوئے اس لئے صاحبِ قدر والا

اگر فکرِ کسبِ ہنر تم کو بھی ہو

تمھیں پھر ابونصر اور بوعلی ہو

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی — خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جن کی

اگر جیتے جی کچھ نہ ان کی خبر لی — تو ہو جائیں گے مل کے مٹی میں مٹی

یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی

مبادا تلف ہو ودیعت خدا کی

یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم و جاہل — بہت ان میں ہیں جن کے جوہر ہیں قابل

رذائل میں پنہاں ہیں ان کے فضائل — انھیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل

نہ ہوتے اگر مائلِ لہو و بازی

ہزاروں انھیں میں تھے طوسی و رازی

۳۲- استقلال

یہ اک خارکش صبر و ہمت میں کامل یہ کہتا تھا محنت سے گھٹتا تھا جب دل
کہ جن سختیوں کا اُٹھانا ہے مشکل وہی ہیں کچھ اے دل اُٹھانے کے قابل

حلال آدمی کو ہے کھانا نہ پینا
نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

نہیں سہل گر صید کا ہاتھ آنا تو لازم ہے گھوڑوں کو سرپٹ بھگانا
نہ بیٹھو جو ہے بوجھ بھاری اُٹھانا ذرا تیز ہانکو جو ہے دور جانا

زمانہ اگر ہم سے زورآزما ہے
تو وقت اے عزیزو یہی زور کا ہے

بشر کو ہے لازم کہ ہمت نہ ہارے جہاں تک ہو کام آپ اپنے سنوارے
خدا کے سوا چھوڑ دے سب سہارے کہ ہیں عارضی زور کمزور سارے

اڑی وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو
سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو

تمھیں اپنی مشکل کو آساں کرو گے تمھیں درد کا اپنے درماں کرو گے

تمھیں اپنی منزل کا ساماں کروگے کروگے تمھیں کچھ اگر یہاں کروگے

چھپا دستِ ہمت میں زورِ قضا ہے
مثل ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے

حالی

۴۳۔ ہمّت

ہمت ہی حرارت ہے وہی ہے حرکت بھی ہمت ہی سے ہر قوم نے پائی ہے ترقی
گر جیونٹی تیمور کی ہمت نہ بندھاتی ہتیار بھی بیکار تھے اور فوج نکمی
ہمت ہے سرانجامِ مہمات کی کنجی ہمت ہی حقیقت میں ہے توفیقِ الٰہی

ہمت ہی بنا دیتی ہے مفلس کو تونگر
ہمت کے سفینہ کا اُٹھا دیجئے لنگر

حالی

۴۴۔ نونہالِ قوم

ہے قوم اگر باغ تو تم اس کے شجر ہو ہے قوم اگر نخل تو تم اس کے ثمر ہو

ہے قوم اگر آنکھ تو تم نورِ بصر ہو ہے قوم اگر چرخ تو تم شمس و قمر ہو
ہے قوم اگر کان تو تم لعل و گہر ہو نظارگی ہے قوم تو تم مدِ نظر ہو

موسیٰ بنو اور قوم کو ذلت سے بچاؤ
گوسالۂ غفلت کی پرستش کو چھڑاؤ

اسمٰعیل

۳۵۔ ترقیِ قوم

اے خوشا وہ قوم مستقبل ہو جس کا شاندار کل سے بہتر آج ہو اور آج سے بہتر ہو کل
دمبدم راہِ طلب میں کر رہی ہو دوڑ دھوپ ایک نقطہ پر نہ ہو اس کو توقف ایک پل
کیوں نہ ہو اس قوم کی دنیا کے ہر گوشہ میں شان جس میں اخلاقی سکت ہو اور ہو حکمت کا بل

ہچکچاتی ہو پہاڑوں سے نہ دریا سے رکے
ہمتیں ہوں اس کی عالی عزم ہوں اس کے اٹل

حسرتا وہ قوم ناقابل کہ ہو ننگِ سلف کاہلی سے دست بازو ہو گئے ہوں جس کے شل
اس کی دولت کیا، کہ ہوں افراد جس کے بے ہنر مفلسی بھی اور دماغوں میں مشیخت کا خلل
کر دیا ہے خانہ برباد آج انہیں اسراف نے جن کو قدرت نے دئے تھے سیکڑوں سنگیں محل

خیر جو گزرا سو گزرا یہ جو ہیں تازہ نہال
فکر ان کی چاہیئے شاید یہی جائیں سنبھل

ان کو بار آور بناؤ خواہ بیکار و فضول — آج جس سانچے میں ڈھالوگے انہیں جائیں گے ڈھل
کھیت میں پیدا ہوں پودے اور نہ سینچو وقت پہ — ہے نتیجہ صاف ظاہر دھوپ سے جائیں گے جل
سوکھ کر جھڑ جائیں کلیاں اور نہ چیتے باغباں — ایسے ظالم باغباں کو کیا ملے گا خاک پھل

جی چرانا کام سے اور کامیابی کا یقیں
اے عزیزو ہے خلافِ حکمِ حق عزوجل

لَیسَ لِلاِنسَانِ اِلّا مَا سَعٰی پڑھتے تو ہو — لیکن اس پڑھنے کا اے حضرات آخر ما حصل
شہد کی مکھی کو دیکھو کس قدر مصروف ہے — چوس کر ہر پھول سے لاتی ہے بیچاری عسل
اپنے بچوں کے لئے کرتی ہے آذوقہ تلاش — آخرش آتے ہیں بچوں کے بھی پر پرزے نکل

یہ نئی تانتی ہماری کیا کرے گی بھاگ دوڑ
تنگنائے کاہلی میں جب پڑی بانہیں پھیل

بعض کہتے ہیں بڑھو آگے کہ ہے میداں ہیچ — بعض کہتے ہیں کہ یہ ہیں کہنے والے مبتذل
دیکھنا تم ٹس سے مس ہرگز نہ ہونا ایک انچ — بڑھ گئے آگے تو آجائے گا ایماں میں خلل
ان کا کہنا مانیئے یا ان کی خاطر کیجیئے — اپنا عقدہ کیجیئے آپ اپنے ہی ناخن سے حل

تیز کر اپنی توجہ کی کرن اے آفتاب
تاکہ جائے حادثوں سے برف سستی کی پگھل

تیری سرگرمی سمندر سے اُٹھائے گی بخار
پھر ہوا میں جمع ہوں گی بادلوں کی دل کی دل

دشت اور کہسار پر برسیں گے اک دن جھوم جھوم
ایک ہو جائے گا آخر دیکھنا جل اور تھل

پھر تو ہر مُردہ زمیں بنجائے گی باغ و بہار
پھر تو کھل جائیں گے پژمردہ دلوں کے بھی کنول

دل نہ ہو درد آشنا تو نظم ہے اک دردِ سر
کیا رُباعی، کیا قصیدہ کیا مخمس کیا غزل

اسمٰعیل

۳۶۔ صلائے عزم

اے عزم جلوہ گر ہو پھر عالمِ کہن میں
دے ڈال زلزلہ پھر شیرانِ صف شکن میں

او برق کے شرارے او دل جلوں کے ہمدم
ایک آگ پھر لگا دے افسردہ انجمن میں

ہمت کی مے پلا کر پھر حوصلے بڑھا دے
اگلا سا کیف بھر دے پھر شیشۂ کہن میں

ہو پھر رواں رگوں میں غیرت کا خون اپنی
پیدا ہوں سورما پھر اُجڑے ہوئے وطن میں

سوزِ دروں عطا کر بجھتے ہوئے دلوں کو
جل اُٹھیں جس سے سینے وہ بات دے جلن میں

تجھ سے ہمدردوں نے پائی ہے فتح و نصرت
اسرار ہیں جہاں کے پنہاں ترے چلن میں

ڈھارس تھی دل کو اُس کے تیری ہی دم قدم سے
پھونکی تھی روح تو نے محمودِ بُت شکن میں

تھے سورما کہاں کے تھا اُن میں زور تیرا
تیری ہی گرم جوشی تھی گیو و تہمتن میں

تیشے میں کیا دھرا تھا تیری ہی اک چمک تھی
ڈالی تھی جان تو نے فرہادِ کوہ کن میں

کیف و سرور تیرا مجنوں کا ہم نفس تھا
ملتی تھی اُس کو لذت ہر خار کی چبھن میں

نکلا تھا بل پہ تیرے وہ فخرِ ہند گھر سے
تھا رام کا سہارا تو کوہ اور بن میں

تو ہی دل و جگر میں تو ہی رواں رگوں میں
جنبش تری عمل میں جذبہ ترا سخن میں

ہے تیری فیض باری شعبوں میں زندگی کے
ہے تیری جلوہ ریزی ایوانِ علم و فن میں

ان کی زباں سے ہر دم چنگاریاں ہیں جھڑتی
دوڑائی برق تو نے جن کے لب و دہن میں

کچھ کر کے اب اُٹھیں گے تجھ سے لگائی لو کہ
پنہاں شرر ہیں تیرے یاروں کے پیرہن میں

رو بہ صفت جو کل تھی پا کر ترا سہارا
پھرتے ہیں آج بپھرے وہ شیر کے بن میں

تیرا علم اُٹھا کر نکلے ہیں کچھ سے ہمدرد
شاید حیات تازہ پیدا ہو پھر وطن میں

جو تیرا درد لے کر ناکام اُٹھے جہاں سے
لاشیں تڑپ رہی ہیں اُن کی پڑی کفن میں

اتنی ہے بس تمنا اے عزمِ ترمذی کی
مرنا ہو یا کہ جینا ہو قوم کی لگن میں

جلد دوم

۳۷۔ پیامِ عمل

اُٹھ کہ ظلمت ہوئی پیدا افقِ خاور پر — بزم میں شعلہ نوائی سے اُجالا کر دیں
ایک فریاد ہے مانندِ سپند اپنی بساط — اسی ہنگامہ سے محفل تہ و بالا کر دیں
پھونک ڈالا تھا کبھی دفترِ باطل جس نے — حدّتِ دم سے اسی شعلہ کو پیدا کر دیں
اہلِ محفل کو دکھا دیں اثرِ صیقلِ عشق — سنگِ امروز کو آئینۂ فردا کر دیں
جلوۂ یوسفِ گم گشتہ دکھا کر ان کو — تپش آمادہ تر از خونِ زلیخا کر دیں
رختِ جاں بتکدۂ چیں سے اُٹھا لیں اپنا — سب کو محوِ رُخِ سعدیٰ و سلیمیٰ کر دیں
دیکھ یثرب میں ہوا ناقۂ لیلیٰ بیکار — قیس کو آرزوئے نو سے شناسا کر دیں
درد ہے ساری زمانے کا ہمارے دل میں — جنس کمیاب ہے آ نرخ کو بالا کر دیں
بادہ دیرینہ ہو اور گرم ہو ایسا کہ گداز — جگرِ شیشہ و پیمانہ و مینا کر دیں
گرم رکھتا تھا ہمیں سردیٔ مغرب میں جو داغ — چیر کر سینہ اُسے وقفِ تماشا کر دیں

شمع کی طرح جئیں بزم گہِ عالم میں
خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

اقبال

۳۸ - رہبرانِ قوم

بہت دشوار ہے مسلم کو قومی پیشوا بننا — مصیبت جھیلنا اور ہادیِ راہِ خدا بننا
مشینوں سے لپٹ کر اس قدر البتہ ممکن ہے — بباطن خود گھسٹنا اور بظاہر رہنما بننا

اے شیخ جب تکمیل نہیں دست قوم میں — پھر کیا خوشی جو اونٹ تری ریل ہو گئے

سنورنے کے سوا یہ بے بصیرت کرتے ہی کیا ہیں — چمن کی کیا حفاظت ہو رہی ہے چشم نرگس سے
محبت کا تو عنصر ہی نہیں ان کی طبیعت میں — لگاوٹ ہے فقط وہ بھی کبھی اس سے کبھی اس سے

کچھ بھی نہیں چاہتے وہ چندے کے سوا — اس باغ میں کیا دھرا ہے پھندے کے سوا
گلچیں ہے ہر اک نہیں ہے بلبل کوئی — اس نکتہ کو کون سمجھے بندے کے سوا

موکل چھٹے ان کے پنجے سے جب — تو وہ قوم مرحوم کے سر ہوئے
پپیہے پکارا کئے پی کہاں — مگر وہ پلیڈر سے لیڈر ہوئے

اکبر

۳۹ - سرسید مرحوم

واہ رے سید پاکیزہ گہر کیا کہنا — یہ دماغ اور یہ حکیمانہ نظر کیا کہنا
قوم کے عشق میں یہ سوزِ جگر کیا کہنا — ایک ہی دھن میں ہوئی عمر بسر کیا کہنا

جلد دوم

ہماری باتیں ہی باتیں ہیں سید کام کرتا تھا
نہ بھولو فرق جو ہے کہنے والے کرنے والے میں

کہے جو چاہے کوئی میں تو یہ کہتا ہوں اے اکبر
خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

تعجب سے کہنے لگے بابو صاحب
گورنمنٹ سید پہ کیوں مہرباں ہے

اسے کیوں ہوئی اس قدر کامیابی
کہ ہر بزم میں بس یہی داستاں ہے

کبھی لاٹ صاحب ہیں مہمان اس کے
کبھی لاٹ صاحب کا وہ میہماں ہے

نہیں ہے ہماری برابر وہ ہرگز
دیا ہم نے ہر صیغہ کا امتحاں ہے

وہ انگریزی سے کچھ بھی واقف نہیں ہے
یہاں جتنی انگلش ہے سب بر زباں ہے

کہا ہنس کے اکبر نے اے بابو صاحب
سنو مجھ سے جو رمز اس میں نہاں ہے

نہیں ہے تمھیں کچھ بھی سید سے نسبت
تم انگریزی داں ہو وہ انگریز داں ہے

اہلِ یورپ کے ساتھ ہوٹل میں
چکھی سید نے ایک دن کاری

خانساماں نے کان میں یہ کہا
آپ تو علم سے نہیں عاری

پڑھئے کوئی دعائے اکلِ طعام
دین سے بھی رہے وفاداری

تب یہ اشعارِ حضرتِ سعدی
ہوئے ان کی زبان پر جاری

اے کریمے کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

سید سے آج حضرتِ واعظ نے یہ کہا
چرچا ہے جا بجا ترے حالِ تباہ کا

شیطان نے دکھا کے جمالِ عروسِ دہر
بندہ بنا دیا ہے تجھے حُبِ جاہ کا

اس نے دیا جواب کہ مذہب ہو یا رواج
راحت میں جو مخل ہو وہ کانٹا ہے راہ کا

افسوس ہے کہ آپ ہیں دُنیا سے بیخبر
کیا جانیے جو رنگ ہے شام و پگاہ کا

یورپ کا پیش آئے اگر آپ کو سفر
گزرے نظر سے حال رعایا و شاہ کا

وہ آب و تابِ شوکتِ ایوانِ خسروی
یہ محکموں کی شان وہ جلوہ سپاہ کا

آئے نظر علومِ جدیدہ کی روشنی
جس سے خجل ہو نورِ رخِ مہر و ماہ کا

دعوت کسی امیر کے گھر میں ہو آپ کی
کمسن مسوں سے ذکر ہو الفت کا چاہ کا

نوخیز دلفریب گل اندام نازنیں
عارض پہ جن کے بار ہو دامن نگاہ کا

رُکئے اگر تو ہنس کے کہے اک بتِ حسیں
دل مولوی یہ بات نہیں کچھ گناہ کا

اس وقت قبلہ جھک کے کریں آپ کو سلام
پھر نام بھی حضور جو لیں خانقاہ کا

جلد دوم

پتلون و کوٹ و بنگلہ و بسکٹ کی دھن بندھے — سودا جناب کو بھی ہو ٹرکی کلاہ کا

منبر پہ یوں تو بیٹھ کے گوشہ میں ای جناب

سب جانتے ہیں وعظ ثواب و گناہ کا

اکبر

۴۰ - احرارِ قوم

یہ اعتراض آپ کا بیشک صحیح ہے — احرار قوم میں ہیں بہت خامیاں ابھی

چلتے ہیں تھوڑی دور ہر اک راہ رو کے ساتھ — گم گشتہ طریق ہے یہ کارواں ابھی

زود اعتقادیاں ہیں تلون ہے وہم ہے — ہو جاتے ہیں ہر ایک سے یہ بدگماں ابھی

دل میں نہ عزم ہے نہ ارادوں میں ہے ثبات — جھیلے نہیں ہیں معرکۂ امتحاں ابھی

بے اعتدالیاں ہیں ادائے کلام میں — باہر ہے اختیار سے ان کی زباں ابھی

ہر دم ہیں گو مسائلِ ملکی زبان پر — ان میں ہے ایک بھی تو نہیں نکتہ داں ابھی

یہ سب بجا درست مگر سچ جو پوچھیے

جو کچھ کہ ہے یہ ہے اثرِ رفتگاں ابھی

شبلی

۴۱۔ احرار کی نکتہ چینی

دیکھکر حریتِ فکر کا یہ دورِ جدید | سوچتا ہوں کہ یہ آئین خرد ہے کہ نہیں
رہنماؤں کی یہ تحقیر یہ اندازِ کلام | اس میں کچھ شائبۂ رشک و حسد ہے کہ نہیں
اعتراضات کا انبار جو آتا ہے نظر | اس میں کچھ قابلِ تسلیم و سند ہے کہ نہیں
نکتہ چینی کا یہ انداز یہ آئینِ سخن | بزمِ تہذیب میں مستوجبِ رد ہے کہ نہیں

پہلے گر شانِ غلامی تھی تو اب خیرہ سری
اس ذرا سی میں کوئی بیچ کی حد ہے کہ نہیں

شبلی

۴۲۔ احرار کا کام

یہ جو لیڈر شکنی آپ نے کی خوب کیا | قوم اب طوقِ غلامی سے ہے بالکل آزاد
لوگ اب قلعۂ تقلید میں ہوں گے نہ اسیر | ٹوٹ جائے گا طلسمِ اثرِ استبداد
ہاں مگر ایک گزارش بھی ہے یہ قابلِ غور | یہ تو فرمائیے اس باب میں کیا ہے ارشاد
بتکدے آپ نے ڈھائے بہت اچھا لیکن | شرط یہ ہے کہ حرم کی بھی تو رکھئے بنیاد

جلد دوم

آبلہ قابل نشتر تھا یہ مانا لیکن — دیکھئے یہ کہ کہیں زخم میں آئے نہ فساد
آپ کہتے ہیں کہ وہ مجمع ناجائز تھا — خیر جو کچھ تھا مگر جمع تو تھے کچھ آزاد
اب کوئی مرکز قومی ہے نہ توحید خیال — نہ کوئی جادۂ مقصد ہے نہ کچھ توشۂ زاد
خوف یہ ہے کہ بکھر جائے نہ شیرازۂ قوم — خوف یہ ہے کہ یہ ویرانہ نہ پھر ہو آباد
ذرے جس طرح سے ہو جاتے ہیں اڑ اڑ کے فنا — یونہیں ہو جائیگی پھر قوم بھی آخر برباد

نکتہ چینی سے فقط کام نہیں چل سکتا
یہ بھی لازم ہے کہ کچھ کام بھی ہو پیش نہاد

شبلی

۳۴ - علی گڑھ کالج

ظاہر میں اگرچہ راز سربستہ ہے — مضمون لطیف و خوب برجستہ ہے
پودا نہیں پھول کا علی گڑھ کالج — گلدان میں مسلموں کا گلدستہ ہے
سید کی روشنی کو اللہ رکھے قایم — بتی بہت ہے موٹی روغن بہت ہی کم ہے

خدا علی گڑھ کے مدرسے کو تمام امراض سے شفا دے
بھرے ہوئے ہیں رئیس زادے امیر زادے شریف زادے

لطیف و خوش وضع و چست چالاک صاف پاکیزہ خوش و خرم
طبیعتوں میں ہے ان کے جودت دلوں میں ان کے ہیں نیک ارادے
فقیر مانگے تو صاف کہدیں کہ تو ہے مضبوط جا کما کھا
قبول فرمائیں آپ دعوت تو اپنا سرمایہ کل کھلا دے
نکلتے ہیں کرکے غول بندی بنام تہذیب و دردمندی
یہ کہہ کے لیتے ہیں سب سے چندے ہمیں جو تم دو تمھیں خدا دے
انھیں اسی بات پر یقیں ہے کہ بس یہی اصلِ کارِ دیں ہے
اسی سے ہوگا فروغ قومی اسی سے چمکیں گے باپ دادے
دلوں میں ان کے ہے نورِ ایماں قوی نہیں ہے مگر نگہباں
ہوائے منطق ادائے طفلی یہ شمع ایسا نہ ہو بجھا دے

اکبر

۴۴۔ کانفرنس

کانفرنس احباب سے پُر ہے — جو صف ہے وہ سلکِ دُر ہے
سب گویا دُستاد کا گُر ہے — دلکش ہر اسپیچ کا سُر ہے

قومی ترقی کی رادھا پیاری بیٹھی ہے پہنے جوڑا بھاری
نو من تیل کی فکر ہے طاری چندہ کی تحصیل ہے جاری

جمع ہیں ممبر بھولے بھالے جاڑے کا موسم پھوڑے پھالے
آنکھیں پھاڑے دانت نکالے چندہ دے کر پھنسنے والے

بعض ہیں بادۂ و جام کے خواہاں بعض نمود و نام کے خواہاں
بعض فقط آرام کے خواہاں کم ہیں فیضِ عام کے خواہاں

مدعیاں رونقِ دیں ہیں لیکن باہم برسرکیں ہیں
واقف فن و ہنر سے نہیں ہیں کم ہیں ان میں جو آخر بیں ہیں

ہر دم قوم کا رونا کیا ہے ان باتوں سے ہونا کیا ہے
مفت میں روپیہ کھونا کیا ہے شورزمیں میں بونا کیا ہے

دیکھئے ایک باضابطہ بھبکی دنیا آپ کی جانب لپکی
آپ نے سب کی دولت ہپ کی بزم جما لی خالی گپ کی

دیکھتا ہوں ایک عمر سے بندہ بس یہی باتیں بس یہی چندہ
ہوتا ہے کچھ کام نہ دھندہ لاؤ چندہ لاؤ چندہ

کام بہت ہیں لوکل و ذاتی ان کی فکر تو کی نہیں جاتی

مفت میں بچوں کو کرکے براتی — قوم کی گنتے ہیں بھائی و فاتی

ہوگیا عقل میں کون اضافہ — خوشبو پھیلی دیکھا نہ نافہ

دیکھ لیا یاروں کا قیافہ — پایا بس خوش رنگ لفافہ

قوم سے اس کی گاڑھی کمائی — آپ نے فقرے دے کے اڑائی

اور وہ یوں بے سود گنوائی — شاہ لندن تیری دہائی

راجہ صاحب سے شیخ جی نے کہا — اب بھروسہ حضور پر نہ رہا

مجھکو چھوڑا امام باڑے میں — پہنچے خود نیچری اکھاڑے میں

جیب خالی پھرا کیا بندہ — لے گئے غیر اس قدر چندہ

راجہ صاحب نے ہنس کے فرمایا — کیوں مزاج آپ کا ہی گرمایا

بزم قومی میں میں شریک ہوا — جو ہوا ہر طرح سے ٹھیک ہوا

آپ پر بار صرف داڑھی ہے — یاں ریاست کی فکر گاڑھی ہے

جب حکومت کرے خود اس کا دفن — کیوں نہ ہوں میں شریک کانفرنس

مجھکو ہے شوق علم و دانش سے — کیوں میں رکتا پھر اپنی خواہش سے

نہ ہو تسکین دہ جو یہ توضیح — تو میں کردوں گا دوسری تشریح

مجھ پہ کرتا تھا اعتراض حریف — دل میں آیا یہ میری شعر لطیف

دفترِ اعتراض سوختہ بہ
دہنِ سگ بلقمہ دوختہ بہ

اکبر

۴۵- مسلم ڈپوٹیشن

ڈپوٹیشن کی سرسبزی جو دیکھی اس زمانے میں
برہمن نے کہا یہ شاخ بیدا ور ایسے گملے میں

کہا مہدی نے بھائی تم کو کیوں اس درجہ حیرت ہے
تمہارے واسطے یہ کیا محلِ رشک و غیرت ہے

تعجب کیا ہے ہم اس بُت کے پہلو میں جو بیٹھے ہیں
حرم کے محترم کیا دیر کے خادم سے ہیٹے ہیں

برہمن نے کہا بس آپ کی باتیں ہی باتیں ہیں
ابھی یہ وصل کی راتیں نہیں ہیں ان کی گھاتیں ہیں

کیا مہدی نے ہم کو تو مزے اپنے مطلب سے
محبت ہو نہ ہو ان کو امید اس کی یہاں کب ہے

برہمن نے کہا ایسا مزہ اعضا کا مضعف ہے
کہا مہدی زباں بس بند ہے بندہ بھی واقف ہے

اکبر

۴۶- مسلم لیگ

لیگ کی عظمت و جبروت سے انکار نہیں
ملک میں غلغلہ ہے شور ہے کہرام بھی ہے

ہے گورمنٹ کی بھی اس پہ عنایت کی نگاہ
نظرِ لطف رئیسانِ خوش انجام بھی ہے

پختہ کاروں کے لئے آلۂ تسخیر ہے یہ — نوجوانوں کو صدائے طمعِ خام بھی ہے

رہنمایانِ نو آموز کا ہے مکتبِ درس — زینۂ فخر و نمایش گریِ عام بھی ہے

مختصر اس کے فضائل کوئی پوچھے تو یہ ہیں — محسنِ قوم بھی ہے خادمِ حکام بھی ہے

ربط ہے اس کو گورنمنٹ سے بھی ملک سے بھی
جس طرح "صرف" میں اک قاعدۂ ادغام بھی ہے

اس کے آفس میں بھی ہر طرح کا ساماں ہے درست — ورقِ سادہ بھی ہے کلکِ خوش اندام بھی ہے

ہیں قرینے سے سجائی ہوئی میزیں ہر سو — جا بجا دفترِ آئینِ احکام بھی ہے

چند بی۔ اے ہیں سند یافتۂ علم و عمل — کچھ اسسٹنٹ ہیں کچھ حلقۂ خدام بھی ہے

ہو جو تعطیل میں تفریح و سیاحت مقصود — سفرِ درجۂ اول کے لئے دام بھی ہے

یہ تو سب کچھ ہے مگر ایک گزارش ہے حضور — گرچہ یہ سوئے ادب بھی ہے اور ابرام بھی ہے

مجھ سے آہستہ مرے کان میں ارشاد ہو
سال بھر حضرتِ والا کو کوئی کام بھی ہے

شبلی

۴۷۔ اجلاس مسلم یونیورسٹی

یہ فیض ہے جماعتِ احرار کا ضرور — اب قوم کو جو شخص پرستی سے عار ہے

آزادیِ خیال کا جو کچھ کہ ہے اثر یہ سب انھیں کے فیض کا منت گزار ہے

لیکن یہ دیکھنا ہے کہ یہ عزم تیز رنگ

ہر دیرپا کہ جوشِ جنونِ بہار ہے

اب کے جو لکھنؤ میں دکھایا گیا سماں سچ پوچھیے تو مضحکۂ روزگار ہے

دیکھا یہ پہلے دن کہ ہر اک گوشہ بساط میدانِ رزم و عرصہ گہہِ گیر و دار ہے

غل ہے کہ وہ مقدمۃ الجیش آ گیا اب انتظارِ فوج یمین و یسار ہے

احرار کی صفوں کی صفیں ہیں جمی ہوئی مجلس تمام عرصہ گہہ کارزار ہے

اسٹیج پر ہر ایک بپھرتا ہے اس طرح گویا حریفِ رستم و اسفندیار ہے

ہاتھ اٹھ رہے ہیں یا علمِ فتح ہے بلند چلتی ہوئی زبان ہے یا ذوالفقار ہے

ہر نوجواں ہے نشۂ آزادگی میں مست جو ہے وہ حریت کا سر پر خمار ہے

احرار کہہ رہے ہیں نہ مانیں گے ہم کبھی ویٹو کا وائسرائے کو کیا اختیار ہے

الحاق اگر نہیں ہے تو ہر سعی ہے عبث "مسلم" کا لفظ خاص ہمارا شعار ہے

جو والیانِ ملک کہ تھے زیبِ انجمن

سب دم بخود سے تھے کہ یہ کیا خلفشار ہے

یا صبح دم جو دیکھیے آ کر تو بزم میں نے وہ خروش و جوش نہ وہ گیر و دار ہے

ٹوٹی ہوئی صفیں ہیں علم سرنگوں ہیں سب بازوئے تیغ گیر جو تھا رعشہ دار ہے
سازش کا ایک جال بچھایا ہے ہر طرف ہر شخص اس کی فکر میں مصروف کار ہے

سرمستیاں ہیں دور قدح ہائے راز کی
ہر شخص حکمتِ عملی کا شکار ہے

جو بات کل تلک سببِ ننگ و عار تھی وہ آج مایۂ شرف و افتخار ہے
جس بات پر کہ نعرۂ نفریں بلند تھے اب وہ قبولِ خاطرِ ہر ذی وقار ہے
خود آپ اپنے ہاتھ سے کھائی ہے جو شکست کہتے ہیں پھر یہ فتح مبیں یادگار ہے
حیران تھے عوام کہ کیا ماجرا ہے یہ یہ کیا دو رنگیٔ چمنِ روزگار ہے

احرار کا طریق عمل ہے اگر یہی
پھر کامیابیوں کا عبث انتظار ہے

شبلی

۴۸۔ اصرار الحاق

شرط الحاق یہ اصرار اور ایسا اصرار شیوۂ عقل نہیں بلکہ یہ ہے کج نگہی
درسگاہیں ہیں کہاں کیجئے جن کا الحاق اور اگر ہیں بھی تو بیکار ہیں یا طفل تہی

لوگ جس چیز کو کہتے ہیں علی گڑھ کالج — چشم بینا ہو تو ہے جامعۂ قوم یہی

یہ وہی قبلۂ حاجات ہے سوچیں تو ذرا — یہ وہی کعبۂ مقصود ہے دیکھیں تو سہی

آج جو لوگ ہیں جمعیتِ قومی کے امام — جن کا ارشاد ہے ہم پایۂ طغرائے شہی

سب کے سب متفق اللفظ یہی کہتے ہیں — ان ھٰذا لھو الحق۔ و آمنت بہٖ

قوم کا دیکھئے بچپن کہ یہ سب سن کے کہا
جو کھلونا مجھے دکھلایا تھا لونگی تو وہی

شبلی

۴۹ - انکار الحاق

الحاق کی جو شرط نہ مانی جناب نے — کیا جانے کیا حضور کے دل میں خیال ہے

مسلم کے لفظ میں تو کوئی بات ہی نہ تھی — کیا اس میں بھی حضور کو کچھ احتمال ہے

اسباب سوءِ ظن کے لئے کچھ عیاں ہوئے — یا پہلے ہی سے شیشۂ خاطر میں بال ہے

ہم تو ازل سے حلقہ بگوشِ نیاز ہیں — یہ سر ہمیشہ زیرِ قدم پائمال ہے

آیا کبھی نہ حرفِ تمنا زبان پر — یاں تک تو ہم کو پاسِ ادب کا خیال ہے

آیا جو حریت کا کبھی دل میں وہم بھی — سمجھا دیا کہ جوشِ جنوں کا ابال ہے

دامن غبارِ خود طلبی سے رہا ہے پاک
یہ فیضِ خاص رہبرِ دیرینہ سال ہے

الحاق سے کچھ اور نہ تھا مدعائے خاص — بس اک عمومِ دینِ وفا کا خیال ہے
یعنی کہ پھیل کر یہ زمانہ کو گھیر لے — اب تک جو مختصر یہ علی گڑھ کا جال ہے
یہ پالیسی ہے شاہرہِ عامِ قوم کی — اس سے کوئی الگ ہے تو وہ خال خال ہے
پھر بھی حضور کی نہ گئیں سرگرانیاں — پھر بھی گناہگار مرا بال بال ہے
اتنی سی آرزو بھی پذیرا نہ ہو سکی — اب کیا کہیں کہ اور بھی کچھ عرضِ حال ہے
سنتے رہے وہ غور سے یہ داستانِ غم — جب ختم ہو گئی تو یہ لب پر مقال ہے

حد سے اگر بڑھیگا تو ہو جائیگا مسا
وہ درسگاہِ رشتۂ وفا کا جو خال ہے

شبلی

۵۰۔ شہر آشوب

اب سامنے میرے جو کوئی پیر و جوان ہے — دعویٰ نہ کرے یہ کہ مرے منہ میں زبان ہے
میں حضرتِ سودا کو سنا بولتے یارو — اللہ رے اللہ ہے کیا نظمِ بیاں ہے

اتنا ہی کیا عرض کہ فرمائے حضرت آرام سے کٹنے کی طرح کوئی بھی یاں ہی
سن کے یہ لگے کہنے کہ خاموش ہی رہجا اس امر میں قاصر تو فرشتے کی زباں ہی

کیا کیا میں بتاؤں کہ زمانہ کی کٹی شکل
ہی وجہ معاش اپنی سو جس کا یہ بیاں ہی

گھوڑا لے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی تنخواہ کا پھر عالم بالا پہ نشاں ہی
گزرے ہی سدا یوں علف و دانہ کی خاطر شمشیر جو گھر میں تو سپر بنئے کے یہاں ہی
ثابت ہو جو دگلا تو نہیں موزوں میں کچھ حال تیروں میں ہی پرگیری تو بے چلہ کماں ہی
کہتا ہے نفر غرہ کو صراف سے جاکر بی بی نے تو کچھ کھایا ہی فاقہ سے میاں ہی
یہ سن کے دیا کچھ تو ہوئی عید وگرنہ شوال بھی پھر ماہ مبارک رمضاں ہی
اس رنج سے جب چڑھ گئے چھتیس مہینے تنخواہ کا پھر بٹنا اسی شکل سے یہاں ہی
لیتے ہیں بایں رو کبھی وہ تو دو ماہہ ٹک دھونس ڈہر کی جنھیں تاب و تواں ہی
اور وہ جو ہیں کمزور وہاں آن کے بیٹھیں ریتی کے جو آگے کی یہ ہر ایک دکاں ہی

اٹھ اٹھ کے دکھاتے ہیں انھیں حال وہ اپنا
دربار رواس عہد میں جو خرد و کلاں ہی

صیغہ پہ طبابت کے بھلا آدمی نوکر سو دو سو روپیہ کا جو کسی عمدہ کے ہاں ہی

صحبت ہے یہ اس سے اگر آقا کے تئیں چھینک — آوے تو وہ اس کو نحوست نگراں ہے

اور ماحضر اوپر جو وہ نواب کو دیکھے — کھانا تو یہ کھاتے ہیں پر اس کو خفقاں ہے

مطبوخ میں ہے خربزہ اور خربزہ پہ دودھ — ہے دودھ پہ مچھلی تس اوپر گاؤزباں ہے

یہ بھی تو نہیں ہے کہ اسی سے ہو تسلی — اس سب پہ تفنن کے لئے بیسنی ناں ہے

اس میں جو کہیں درد اٹھا پیٹ میں ان کے — پھر بوعلی سینا ہے تو واں ہیچمداں ہے

رکھتے ہیں غرض مرگ سے لڑنے کو سپاہی
گر نوکری سمجھو یہ طبابت کی کہاں ہے

سوداگری کیجے تو ہے اس میں یہ مشقت — دکھن میں بکے وہ جو خرید صفہاں ہے

ہر صبح یہ خطرہ ہے کہ طے کیجے منزل — ہر سال بدل وسوسۂ سود و زیاں ہے

لے جا جو کسی عمدہ کی سرکار میں دیجے جنس — یہ درد جو سنئے تو عجب طرفہ بیاں ہے

قیمت جو چکاتے ہیں تو اس طرح کہ ثلث — سمجھے ہے فروشندہ یہ دزدی کا گماں ہے

جب مول مشخص ہوا مرضی کے موافق — پھر پیسوں کا جاگیر کے عامل پہ نشاں ہے

پروانہ لکھا کر گئے عامل کنے جس وقت — کہتا ہے وہ پیسا ابھی مجھ پاس کہاں ہے

ادھر جو پھر آئے تو کہا جنس ہی لیجا — دیوان بیوتات یہ کہتے ہیں گراں ہے

آخر کو جو دیکھو تو نہ پیسے ہیں نہ وہ جنس — ہر اک متصدی سے میاں اور تیاں ہے

ناچار ہو پھر جمع ہوئے قلعہ کے آگے
جو پالکی نکلے ہے تو فریاد و فغاں ہے

گر خان و خوانین کی لے کوئی وکالت — اس کا تو میاں کیا کروں تجھ سے کہ عیاں ہے
ہر عمدہ کے دروازہ پہ زیں پوش تہ بیٹھا — پوچھے ہے اجی مرد ہے جی نواب کہاں ہے
دیوان کے بخشی کے بیوتات کے حاضر — مانند کنھیا کے جہاں دیکھو تہاں ہے

ہر بات پلٹتا ہی رہے صبح سے تا شام
پیپل کے پتوے کی طرح منہ میں زباں ہے

شاعر جو سُنے جاتے ہیں مستغنی الاحوال — دیکھے جو کوئی فکر و تردد کو تو یاں ہے
مشتاق ملاقات انھوں کا کس و ناکس — ملنا انھیں ان سے جو فلاں ابنِ فلاں ہے
گر عید کا مسجد میں پڑھے جا کے دوگانا — نیت قطعۂ تہنیتِ خانِ زماں ہے
تاریخ تولد کی رہے آٹھ پہر فکر — گر رحم میں بیگم کے سُنے نطفۂ خاں ہے

اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا
پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکین کہاں ہے

مُلّائی اگر کیجیے مُلّا کی ہے یہ قدر — ہوں دو روپیہ اس کے جو کوئی مرثیہ خواں ہے
اور ماحضر اخوند کا اب کیا میں بتاؤں — یک کاسہ دال عدس و جو کی دو ناں ہے

دن کو تو بیچارا وہ پڑھایا کیے لڑکے   شب خرچ لکھے گھر کا اگر ہندسہ داں ہے

تس پر یہ ستم ہے کہ نہالی تلے اس کے   لڑکوں کی شرارت سے سدا خار نہاں ہے

بھاگے یہ عمل کر جو وہ شیطان کا لشکر   دیوار کو لے ہاتھ تعاقب میں رواں ہے

اب کیجیے انصاف کہ جس کی ہو یہ اوقات

آرام جو چاہے وہ کرے وقت کہاں سے

جس روز سے کاتب کا لکھا حال میں تب سے   ہر صفحہ کاغذ پہ قلم اشک فشاں ہے

وہ بیت ٹکے سیکڑے لکھنے کو ہے موجود   خوبی میں خطاب جس کا بہ از خطِ بتاں ہے

یہ بھی میں تکلف ہی سے کہتا ہوں وگرنہ   آفاق میں ان چیزوں کی اب قدر کہاں ہے

دمڑی کو کتابت لکھیں دھیلے کا قبالہ

بیٹھے ہوئے وہاں میر علی چوک جہاں ہے

چاہے جو کوئی شیخ بنے بہرِ فراغت   چھٹتے ہی تو شعر کے وہ مطعون زباں ہے

اور اس کو جو دیکھے کوئی وہ بہرِ معیشت   اس فکر و تردد ہی میں ہر ایک زماں ہے

پوچھے ہے مریدوں سے یہ ہر صبح کو اٹھ کر   ہے آج کدھر عرس کی شب، روز کہاں ہے

تحقیق ہوا عرس تو کر داڑھی کو کنگھی   لے خیل مریداں گئے وہ بزم جہاں ہے

ڈھولک جو لگی بجنے تو واں سب کو ہوا وجد   کودے کوئی، رو دے کوئی، نعرہ زناں ہے

جلد دوم

بے تال ہوئے شیخ جو ٹک وجد میں آکر | سرگوشیوں میں پھر بد اصولی کا بیاں ہے
گر تال سے پڑتا ہے قدم تو سبھی ہنس ہنس | کہتے ہیں کوئی حال ہے یا رقص زناں ہے

اور ماحصل اس رنج و مشقت کا جو پوچھو
ڈالا ہوا واں دال نخود قلیہ و ناں ہے

سب پیشے یہ تج کر جو کوئی ہو متوکل | جورو یہ سمجھتی ہے نکھٹو یہ میاں ہے
اور بیٹی کے دل کو ہے خرافت کا تیقن | بیٹے کو جنوں ہونے کا بابا کے گماں ہے
پھر جوم کے جب لڑکے گئے بھوک سے مرنے | ہر خان و خوانین کے ہمراہ رواں ہے
جب راہ خدا پیسے نکالے کوئی نواب | تب ان کی سفارش میں اسے رقعہ خواں ہے

مضموں یہی رقعہ کا کہ کچھ دیجئے اس کو
مداح اماموں کا ہے اور مرثیہ خواں ہے

آرام سے کٹنے کا سنا تو نے کچھ احوال | جمعیتِ خاطر کوئی صورت ہو کہاں ہے
دنیا میں تو آسودگی رکھتی ہے فقط نام | عقبیٰ میں یہ کہتا ہے کوئی اس کا نشاں ہے
سو اس کا تیقن کسی کے دل کو نہیں ہے | یہ بات بھی گویندہ ہی کا محض گماں ہے

یہاں فکرِ معیشت ہے تو واں دغدغۂ حشر
آسودگی حرفیست نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے

۱۴

۵۱ ـ قلّتِ معاش

کرتے ہیں قصد تجارت تو گرہ میں نہیں دام
دست کاری کو یہ سمجھے ہیں کہ ہے کارِ عوام

نہیں ہل جوتتے ہیں راحت و آرام کا نام
منتیں بھرتے ہیں اسی واسطے اک اک کے غلام

ہاتھ اپنے دلِ آزاد سے ہم دھو بیٹھے
ایک دولت تھی ہماری سو اسی کو کھو بیٹھے

نوکری ٹھیری ہے لے دے کے اب اوقات اپنی
پیشہ سمجھے تھے جسے ہو گئی وہ ذات اپنی

اب نہ دن اپنا رہا اور نہ رہی رات اپنی
جا پڑی غیر کے ہاتھوں میں ہر اک بات اپنی

نظر آتی نہیں مطلب کی کوئی گھات ہمیں
وہ پڑا نقشہ کہ ہر چال میں ہے مات ہمیں

حالی

۵۲ ـ وقتِ ملازمت

ایک وہ ہیں کہ زمانہ کرے انصاف اگر
اور کھل جائیں کمالات بھی ان کے سب پر

جوہری جو ہیں وہ سب ان کے پرکھلیں جوہر
کامیابی نہیں ان کے لیے [illegible]

جلد دوم

کہ سدا قید رہیں مرغِ خوش الحاں کی طرح
جا کے بک جائیں کہیں یوسفِ کنعاں کی طرح

دیکھ لیں جب انہیں ہر علم و ہنر میں یکتا
شرفِ ذات میں اور اصل گہر میں یکتا
زور بازو میں بلندیِ نظر میں یکتا
الغرض جملہ کمالاتِ بشر میں یکتا

اور پھر اس پہ مددِ طالعِ بیدار کی ہو
تب نصیب ان کو غلامی کسی سرکار کی ہو

ورنہ دن رات پھریں ٹھوکریں کھاتے در در
سندیں چٹھیاں پرانے دکھاتے در در
چاپلوسی سے دل اک اک کا لبھاتے در در
ذائقہ نفس کو ذلت کا چکھاتے در در

تاکہ ذلت سے بسر کرنے کی عادت ہو جائے
نفس جس طرح بنے لائقِ خدمت ہو جائے

کوئی دفتر نہیں اور کوئی کچہری نہیں
کہ جہاں گزری ہو ایک آدھ نہ عرضی ان کی
سنتے مشرق میں ہیں گر کوئی اسامی خالی
قافلے ہوتے ہیں مغرب سے اسی دم راہی

برسوں اس پر بھی گزر جاتے ہیں ذلیل مرام
کوئی آقا نہیں بنتا کہ بنیں اس کے غلام

تنگ نشتے ہیں نہ تقدیر کا کرتے ہیں گلہ
کبھی پھیر لاتے ہیں گردش کو زمانہ کی بلا

کبھی سرکار کو کہتے ہیں کہ ہے بے پروا — کبھی فرماتے ہیں یہ ہو کے مشیت سے خفا — جلد دوم

وعدۂ رزق میں سنتے تھے کہ ہوتی نہیں دیر
پھر جو نوکر نہیں ہوتے تو ہے یہ کیا اندھیر

جانتے ہیں کہ ہی بس رزق کا ہم سے وعدہ — اس کا حیلہ نہیں یہاں کوئی غلامی کے سوا

اور دروازے ہوئے بند سب ان پر گویا — اب فلک پر انھیں ملتا نہ زمیں پر ماویٰ

کام ہوتا کوئی اور ان سے سرانجام نہیں
جس طرح بیل کو جتنے کے سوا کام نہیں

حالی

۵۳۔ حصول معاش

جن کو منظور ہے مشکل کو نہ دشوار کریں — چاہیئے سعی و مشقت سے نہ وہ عار کریں

ہو نہ سکے تجھیں وہ خدمت سرکار کریں — ورنہ مزدوری و محنت سر بازار کریں

آبرو اس میں ہی شان اس میں ہی عزت اس میں
فخر اس میں ہی شرف اس میں شرافت اس میں

پیشہ سیکھے کوئی فن سیکھیں صناعت سیکھیں — کشتکاری کریں آئین فلاحت سیکھیں

جلد دوم گھر سے نکلیں کہیں آداب سیاحت سیکھیں الغرض مرد بنیں جراٗت و ہمت سیکھیں
کہیں تسلیم کریں جا کے نہ آداب کریں
خود وسیلہ بنیں اور اپنی مدد آپ کریں

انبیا پیشہ پہ گزران سدا کرتے تھے اولیا خلق کی طاعت سے ابا کرتے تھے
خدمتِ جنس سے نفرت حکما کرتے تھے حاجتیں آپ ہی سب اپنی روا کرتے تھے
اپنے ہاتھوں سے ہر اک کام بنیڑا اپنا
کھینچ کر لے گئے خود موج سے بیڑا اپنا

کی ہے مردوں نے اسی طرح سے دنیا میں گزر ہوئی تکلیف سے یا چین سے اوقات بسر
نہ ہوئے غیر کے تا زیست کبھی دستِ نگر جب پڑی اپنی ہی بازو پہ پڑی جا کے نظر
گئے دل جمع یہاں سے کہ پریشان گئے
پر زمانہ کے نہ شرمندۂ احسان گئے

حالی

۵۴۔ علم کی قوت

کیا کوہساروں کو مسمار اس نے بنایا سمندر کو بازار اس نے
زمینوں کو منوایا دوار اس نے ثوابت کو ٹھیرایا سیار اس نے

لیا بھاپ سے کام لشکر کشی کا
دیا پتلیوں کو سکت آدمی کا

یہ پتھر کا ایندھن ہے جلوانے والا — جہازوں کو خشکی میں چلوانے والا
صداؤں کو سانچے میں ڈھلوانے والا — زمیں کے خزانے اگلوانے والا

یہی برق کو نامہ بر ہے بناتا
یہی آدمی کو ہے بے پر اُڑاتا

تمدن کے ایواں کا معمار ہے یہ — ترقی کے لشکر کا سالار ہے یہ
کہیں دستکاروں کا اوزار ہے یہ — کہیں جنگجویوں کا ہتیار ہے یہ

دکھایا ہے نیچا دلیروں کو اس نے
بنایا ہے روباہ شیروں کو اس نے

اسی کی ہے اب چار سو حکمرانی — کئے اس نے زیر ارمنی اور یمانی
ہوئے رام دیوان مانند رانی — گئے زابلی بھول سب پہلوانی

ہوا اس کی طاقت سے تسخیر عالم
پڑی سامنے اس کے چرکس نہ دیلم

یہ لاکھوں پہ ہے سیکڑوں کو چڑھاتا — سواروں کو پیادوں سے ہے زک دلاتا

جہازوں سے ہے زورقوں کو بڑھاتا — حصاروں کو ہے چٹکیوں میں اڑاتا
ہوا کوئی حربوں سے اس کے نہ سر پر
نہ ٹھیری زرہ اس کے آگے نہ بکتر

جنھوں نے بنایا اسے اپنا یاور — ہر اک راہ میں اس کو ٹھیرایا رہبر
یہ قول آج کل صادق آتا ہے ان پر — کہ اک نوع ہے نوع انساں سے برتر
الگ سب سے کام ان کے اطوار ہیں کچھ
اگر سب ہیں انساں تو وہ اور ہیں کچھ

کیا علم نے ان کو ہر فن میں یکتا — نہ ہمسر رہا ان کا کوئی نہ ہمتا
ہر اک چیز ان کی ہر اک کام ان کا — سمجھ بوجھ سے ہے زمانہ کی بالا
صنائع کو سب ان کے تکتے ہیں ایسے
عجائب میں قدرت کے حیراں ہوں جیسے

دئے علم نے کھول ان پر خزانے — چھپے اور ظاہر نئے اور پرانے
دکھائے انھیں غیب کے مال خانے — بتائے فتوحات کے سب ٹھکانے
ہوا جیسے چھائی ہے سب بحر و بر پر
وہ یوں چھا گئے خاور و باختر پر

جلد دوم

۵۵۔ علم کی ضرورت

گیا دورِ حکومت کا بس اب حکمت کی ہے باری
جہاں میں چار سو علم و عمل کی ہے عملداری

جنھیں دنیا میں رہنا ہے یہ معلوم ہے ان کو
کہ ہیں اب جہل و نادانی کے معنی ذلت و خواری

ضرورت علم و دانش کی ہے ہر فن اور صنعت میں
نہ چل سکتی ہے اب بے علم نجاری نہ معماری

جہاں علمِ تجارت میں نہ ماہر ہوں گے سوداگر
تجارت کی نہ ہوگی تا قیامت گرم بازاری

نہ آئے گی پسند ان نوکروں کی خدمت و طاعت
جنھیں پائیں گے آقا زیورِ تعلیم سے عاری

جہاں تک دیکھیے تعلیم کی فرماں روائی ہے
جو سچ پوچھو تو سچ علم ہے اور پر خدائی ہے

حالی

۵۶۔ ترکِ تعلیم کے نتائج

جنھوں نے کہ تعلیم کی قدر و قیمت
نہ جانی مسلط ہوئی ان پہ ذلت

ملوک اور سلاطین نے کھوئی حکومت
گھرانوں پہ چھائی امیروں کے نکبت

رہے خاندانی نہ عزت کے قابل
ہوئے سارے دعوے شرافت کے باطل

نہ چلتے ہیں واں کام کاری گروں کے — نہ برکت ہے پیشہ میں پیشہ وروں کے
بگڑنے لگے کھیل سوداگروں کے — ہوئے بند روزنے اکثر گھروں کے
کماتے تھے دولت جو دن رات بیٹھے
وہ ہیں اب دھرے ہاتھ پر ہاتھ بیٹھے

اگر اک پہننے کو ٹوپی بنائیں — تو کپڑا وہ اک اور دنیا سے لائیں
جو سینے کو وہ ایک سوئی منگائیں — تو مشرق سے مغرب میں لینے وہ جائیں
ہر اک شے میں غیروں کے محتاج ہیں وہ
مکینکس کی رو میں تاراج ہیں وہ

نہ پاس ان کے چادر نہ بستر ہے گھر کا — نہ برتن ہیں گھر کے نہ زیور ہے گھر کا
نہ چاقو نہ قینچی نہ نشتر ہے گھر کا — صراحی ہے گھر کی نہ ساغر ہے گھر کا
کنول مجلسوں میں قلم دفتروں میں
اثاثہ ہے سب عاریت کا گھروں میں

یہ ہیں ترک تعلیم کی سب سزائیں — وہ کاش اب بھی غفلت سے باز اپنی آئیں
مبادا رہِ عافیت پھر نہ پائیں — کہ ہیں بے پناہ آنے والی بلائیں
ہوا بڑھتی جاتی ہے پر رہ گزر ہے
چراغوں کو فانوس بن اب خطر ہے

[illegible]

۵۷۔ تعلیم سے بیزاری

خدا حافظ مسلمانوں کا اکبر ۔۔۔ مجھے تو ان کی خوشحالی سے ہے یاس
یہ عاشق شاہدِ مقصود کے ہیں ۔۔۔ نہ جائیں گے ولیکن سعی کے پاس
سناؤں تم کو اک فرضی لطیفہ ۔۔۔ کیا ہے جس کو میں نے زیبِ قرطاس
کہا مجنوں سے یہ لیلیٰ کی ماں نے ۔۔۔ کہ بیٹا تو اگر کر لے ام اے پاس
تو فوراً بیاہ دوں لیلیٰ کو تجھ سے ۔۔۔ بلا دقت میں بن جاؤں تری ساس
کہا مجنوں نے یہ اچھی سنائی ۔۔۔ کجا عاشق، کجا کالج کی بکواس
کجا یہ فطرتی جوشِ طبیعت ۔۔۔ کجا ٹھونسی ہوئی چیزوں کا احساس
بڑی بی آپ کو کیا ہو گیا ہے ۔۔۔ ہرن پر لادی جاتی ہے کہیں گھاس
یہ اچھی قدردانی آپ نے کی ۔۔۔ مجھے سمجھا ہے کوئی ہرچرنداس
دل اپنا خون کرنے کو ہوں موجود ۔۔۔ نہیں منظور مغزِ سر کا آماس

یہی ٹھیری جو شرطِ وصلِ لیلیٰ
تو استعفا مرا با حسرت و یاس

اکبر

۵۰ مسلمان اور انگریزی تعلیم

ایک دن تھا بحکمِ سرکاری گئے اسکول جا بجا کھولے
نہ تو کچھ فیس تھی نہ داخلہ تھا مفت تعلیم تھی اسے جو لے
ہم مسلمان سب اکڑ بیٹھے پہلے فتویٰ جواز کا ہو لے
منہ زبانی بھی اور لکھکر بھی پوچھ کچھ کی تو مولوی بولے
ایسی تعلیم سے تو بہتر ہے آدمی ٹوکری کہیں ڈھوے
انتظامِ امورِ دنیا کو کیا سمجھتے یہ جنتی بھولے
رہنما بے خبر تو بات کو پھر کون میزانِ عقل میں تولے

رہے علم معاش سے کورے
شہر قصبے محلے اور ٹولے

ہیں ہمارے جو اور ہمسائے گو بیٹھے ہی تھے دہن کھولے
خوانِ یغما پہ جا کے ٹوٹ پڑے بھر لئے ٹھونس ٹھونس کر جھولے
لگی ہلدی نہ پھٹکری اور مفت خوب موتی معاش کے رولے

محکموں کی پلٹ گئی کایا
دفتروں کے بدل گئے چولے

کہا سید نے قوم سے ناداں تو بھی اُٹھ بیٹھ ہاتھ منہ دھو لے
تب ہوئی کچھ جھجک ہماری دُور اور ہم نے بھی بال و پر کھولے
مگر اس قیس کی گرانی کے متواتر لگے وہ ہچکولے
جو جیلے کا نکل گیا کس بل اور ہمت کے ہٹ گئے ہولے
الغرض وہ مثل ہوئی اپنی
سر منڈاتے ہی پڑ گئے اولے

اسمٰعیل

۵۹ - عزمِ لندن

(یہ نظم مسٹر تاج الدین صاحب بیرسٹر لکھنؤ نے اپنے بھتیجوں نظام الدین حیدر اور وحید الدین حیدر کے لندن جاتے وقت بمبئی بھیجی تھی کہ جہاز پر سوار ہوتے وقت ان کو ملے)

نظام جاتے ہو لندن مگر خیال رہے وحید تم کو بھی اندیشۂ مآل رہے
ہمارے دل پر جدائی کا کچھ اثر بھی ہے ہمارا حال ہے کیا کچھ تمھیں خبر بھی ہے
خبر ہے تم کو یہ کیوں دے رہے ہیں اذنِ سفر ہمارے تجربہ کار رکھتے ہیں دل پہ کیوں پتھر
یہ جانتے ہو کہ ہم سب کو آرزو کیا ہے جو بھیجتے ہیں تمھیں ان کو جستجو کیا ہے

یہ آرزو ہے کہ دُنیا میں شاد کام رہو دُعا یہ ہے کہ زمانہ میں نیک نام رہو

سنو کہ خواہشِ اوّل یہی ہے ہم سب کی
وہاں بھی تم کو رہے قدر اپنے مذہب کی

وہاں تمھیں نظر آئے گی اک نئی دنیا نظر فریب تماشا ہے جس کے گلشن کا
کھلے ہوئے ہیں بہارِ طرب کے گل ہر سو نگارِ عیش کے بکھرے ہی رہتے ہیں گیسو
نگاہ محوِ تماشائے شاہدِ گُل ہے دلوں کی تاک میں وابستہ زلفِ سنبل ہے
کنارِ ٹیمس وہ ہنگامۂ نشاط وہ دھوم محاذِ آبِ سمندر وہ جھمگٹے وہ ہجوم
وہ بال رُوم میں رقص و سرود عیش و نشاط کہ جس کے آگے نہیں جشنِ جم کی کوئی بساط

بھرے ہوئے ہیں وہ تھیٹر تو مہ جبینوں سے
نظر کو بھی نہیں ملتی جگہ حسینوں سے

سماں یہ دیکھ کے جو لوگ بھول جاتے ہیں وہ راہِ منزلِ مقصود بھول جاتے ہیں
بہارِ گلشنِ دنیا ہے آدمی کے لئے مگر بنا نہیں انساں محض اسی کے لئے
ضیائے شمع شبستاں ہے رات بھر کے لئے فضائے منظرِ بستاں ہیں اک نظر کے لئے
قرینِ عقل نہیں دل پہ ہو نظر غالب نظر فریب بھی کھائے تو دل نہ ہو مغلوب
وہ دل کہ خونِ شرافت ہے موجزن جس میں شعاعِ مہرِ سعادت ہے ضو فگن جس میں

کمالِ علم ہی غایت ہے اہلِ بینش کی — سمجھتے ہیں جو غرض اپنی آفرینش کی
اسی سے ہجر گوارا بجبر کرتے ہیں — خدا کو سونپتے ہیں تم کو صبر کرتے ہیں
اکیلے جاتے ہو پردیس میں خدا حافظ
جہاں مقام ہو ہر دیس میں خدا حافظ

؟

۶۰۔ برقِ کلیسا

رات اس بت سے کلیسا میں ہوا میں جو دوچار — ہائے وہ حسن وہ شوخی وہ نزاکت وہ ابھار
زلفِ پیچاں میں وہ سج دھج کہ بلائیں بھی مرید — قدِ رعنا میں وہ چم خم کہ قیامت بھی شہید
آنکھیں وہ فتنۂ دوراں کہ گنہگار کریں — گال وہ صبحِ درخشاں کہ ملک پیار کریں
گرم تقریر جسے سننے کو شعلہ لپکے — دلکش آواز کہ سن کر جسے بلبل چہکے
دلکشی چال میں ایسی کہ ستارے رک جائیں — سرکشی ناز میں ایسی کہ گورنر جھک جائیں
آتشِ حسن سے تقوے کو جلانے والی — بجلیاں لطفِ تبسم سے گرانے والی
پہلوئے حسنِ بیاں شوخیٔ تقریر میں غرق — ترکی و مصر و فلسطین کے حالات میں برق
پس گیا لوٹ گیا دل میں سکت ہی نہ رہی — سر میں تمکین کے جو گت تھی وہ گت ہی نہ رہی

ضبط کے عزم کا اس وقت اثر کچھ نہ ہوا
یا حفیظ کا کیا ورد مگر کچھ نہ ہوا

عرض کی میں نے کہ اے گلشنِ فطرت کی بہار
دولت و عزت و ایماں ترے قدموں پہ نثار

تو اگر عہد وفا باندھ کے میری ہو جائے
ساری دنیا سے مرے قلب کو سیری ہو جائے

شوق کے جوش میں میں نے جو زباں یوں کھولی
ناز و انداز سے تیوری کو چڑھا کر بولی

غیر ممکن ہے مجھے انس مسلمانوں سے
بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

لن ترانی کی یہ لیتے ہیں نمازی بن کر
حملے سرحد پہ کیا کرتے ہیں غازی بن کر

کوئی بنتا ہے جو مہدی تو بگڑ جاتے ہیں
آگ میں کودتے ہیں توپ سے لڑ جاتے ہیں

مطمئن ہو کوئی کیوں کر کہ ہیں یہ نیک نہاد
ہے ہنوز ان کی رگوں میں اثرِ حکم جہاد

دشمنِ صبر کی نظروں میں لگاوٹ پائی
کامیابی کی دلِ زار نے آہٹ پائی

عرض کی میں نے کہ اے لذتِ جاں راحتِ روح
اب زمانہ پہ نہیں ہے اثرِ آدم و نوح

شجرِ طور کا اس باغ میں پودا ہی نہیں
گیسوئے حور کا اس دور میں سودا ہی نہیں

اب کہاں ذہن میں باقی ہے براق و رف رف
ٹکٹکی بندھ گئی ہے قوم کی انجن کی طرف

ہم میں باقی نہیں اب خالدِ جانباز کا رنگ
دل پہ غالب ہے فقط حافظِ شیراز کا رنگ

جوہرِ تیغِ مجاہد تری ابرو پہ نثار	نورِ ایماں کا ترے آئینۂ رو پہ نثار
جلد دوم
موجِ کوثر کی کہاں آپ مری باغ کے گرد	میں تو تہذیب میں ہوں پیرِ مغاں کا شاگرد

مجھ پہ کچھ وجہِ عتاب آپ کو اے جان نہیں	نام ہی نام ہے ورنہ میں مسلمان نہیں

جب کہا صاف یہ میں نے کہ جو ہو صاف ضمیر	تو نکالو دلِ نازک سے یہ شبہ یہ وہم

میرے اسلام کو اک قصۂ ماضی سمجھو
ہنس کے بولی کہ تو پھر مجھ کو بھی راضی سمجھو

اکبر

۶۱۔ عقدِ لندن

اک مِس سیمیں بدن سے کر لیا لندن میں عقد	اس خطا پر سن رہا ہوں طعنہ ہائے دلخراش

کوئی کہتا ہے کہ بس اس نے بگاڑی نسلِ قوم	کوئی کہتا ہے کہ ہے یہ بد خصال و بد معاش

دل میں کچھ انصاف کرتے ہی نہیں کوئی بزرگ	ہو کے اب مجبور خود اس راز کو کرتا ہوں فاش

ہوئی تھی تاکید لندن جاؤ انگریزی پڑھو	قومِ انگلش سے ملو سیکھو وہی وضع تراش

جگمگاتے ہوٹلوں کا جا کے نظارہ کرو	سوپ و کاری کے مزے لو چھوڑ دو یخنی و آش

لیڈیوں سے مل کے دیکھو ان کے انداز و طریق	بال میں ناچو کلب میں جا کے کھیلو ان کے تاش

جلد دوم

بادۂ تہذیب یورپ کے چڑھاؤ خم کے خم | ایشیا کے شیشۂ تقوے کو کردو پاش پاش
جب عمل اس پر کیا پریوں کا سایہ ہو گیا | جس سے تھا دل کی حرارت کو سراسر انتعاش
سامنے تھیں لیڈیانِ زہرہ وش جادو نظر | یاں جوانی کی اُمنگ اور ان کو عاشق کی تلاش
اس کی چتون سحر آگیں ان کی باتیں دلربا | چال اس کی فتنہ خیز اس کی نگاہیں برق پاش
جب یہ صورت تھی تو ممکن تھا کہ اک برقِ بلا | دستِ سیمیں کو بڑھاتی اور میں کہتا دور باش
دونوں جانب تھا رگوں میں جوشِ خونِ فتنہ زا | دل ہی تھا آخر نہیں تھی برف کی یہ کوئی قاش
باربار آتا ہے اکبر میرے دل میں یہ خیال | حضرتِ سید سے جا کر عرض کرتا کوئی کاش

درمیانِ قعرِ دریا تختہ بندم کردئی
باز میگوئی کہ دامن تر مکن ہشیار باش

اکبر

۶۲ ۔ اگلے شرفا

وہ صورتیں متبرک وہ اُن کی شانِ شکوہ | مہذبانہ وہ باتیں وہ جانفزا گفتار
ہر اک کو وضع کا پاس اپنے دستور کا لحاظ | لبوں پہ خلق کی باتیں دلوں میں صبر و قرار
کسی کو نثر کا ذوق اور کسی کو نظم کا شوق | فقیہہ و صاحبِ تقویٰ و کاسبِ ابرار

جلد دوم

وہ دوستوں سے عزیزوں کی طرح مل جانا | برائیوں سے کنارہ شکایتوں سے عار

سنو غریبوں کی حالت امیر تو ہیں امیر | مجال کیا جو کریں اپنے حال کا اظہار

نہ نکلیں گھر سے جو نکلیں تو شان سے نکلیں | کہ اپنے ہاتھ سے جانے نہ پائے اپنا وقار

بشاشتیں وہی منہ پر ہزار ہو تکلیف | طلب کا نام نہ لائیں زبان پر زنہار

لئے دیئے ہوئے اور آبرو بنائے ہوئے | کہ تا نہ سمجھے کوئی ان کو مفلس و نادار

مہذب ایسے تھے جاہل بھی اس زمانہ کے | کہ اہل علم میں کرے زمانہ ان کو شمار

محاوروں میں وہ شیریں بیانیاں کہ صلِ علیٰ | وہ جب کریں تو بہ آہستگی کریں گفتار

جھکائے سر کو شرافت سے راستہ چلنا | ادب سے ہاتھ اٹھانا سلام کو ہر بار

کریں غریب کو بھی تا بہ فرش استقبال | بہت لحاظ کہ آئے نہ ان کے دل پہ غبار

لحاظ بھائیوں تک میں بھی باپ بیٹوں تک | یہ کیا مجال کہ مرکز سے بڑھ کے ہو گفتار

ہر ایک حفظ مراتب میں تکمل حاصل | ہر اک سے جھک کے تعارف سے خاکسار ہوں کہ کیا

بہادرانہ امنگیں سپاہیانہ شوق | جریب دست مبارک میں اور کمر میں کٹار

کوئی جگہ کوئی صحبت نہیں کہ ہوں نہ وہاں
مورخ و شعرا و ادیب و نثر نگار

ختم شد

۶۳۔ نئے جنٹلمین

رہا وہ جرگہ جسے چڑ گئی ہے انگریزی
سو واں خدا کی ضرورت نہ انبیاء کا

وہ آنکھ میچ کے بر خود غلط بنے ایسے
کہ ایشیا کی ہر اک چیز پہ پڑی دھکا

جو پوششوں میں ہے کوٹ پتلون دریدہ کو
سواریوں میں سواری تو دم کٹا رہوار

جو ار دلی میں ہے کتا تو ہاتھ میں اک بید
بجاتے جاتے ہیں سیٹی ٹانگ رہا ہے سگا

وہ اپنے آپ کو سمجھے ہوئے ہیں جنٹلمین
اور اپنی قوم کے لوگوں کو جانتے ہیں گنوار

نہ کچھ ادب ہے نہ اخلاق نہ خدا ترسی
گئے ہیں ان کے خیالات سب سمندر پار

وہ اپنے زعم میں لبرل ہیں یا رڈیکل ہیں
مگر ہیں قوم کے حق میں بصورت اغیار

نہ انڈین میں ہے وہ نہ وہ بنے انگلش
نہ ان کو چرچ میں آنر نہ مسجدوں میں بار

اسمٰعیل

۶۴۔ فیشن

ہر ہنر کہ کوٹ بھی سب پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے پاٹ بھی ہے صابن بھی ہے

لیکن یہ میں تجھ سے پوچھتا ہوں ہندی — یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے

اسباب طرب یہاں وہاں سے لائیں — ہر طرح کا فرنیچر دکاں سے لائیں
قائم نہ رہے ادب تو کیا اس کا علاج — انگریز کا رعب ہم کہاں سے لائیں

عزم کر تقلید مغرب کا ہنر کے زور سے — لطف کیا ہے لد لیے موٹر پہ زر کے زور سے

سکھاتے ہیں تقلید انگلش جو آپ — کہیں مفلسوں کو نہ پٹ کیجیے
بہت شوق انگریز بننے کا ہے — تو چہرے پہ اپنے گلٹ کیجیے

واہ کیا وضع ہے میرے بھولے کی — رنگ کولے کا ہیٹ سولے کی

آج وہ ہنستے ہیں میرے جبہ و شلوار پر — ایک دن ان کو فلک بندھوائے دھوتی تو سہی

تارک الصوم میں دو چار نے پایا ہے عروج — خیر اتنے شہدا تھے تو یہ غازی بھی سہی

انگلش ڈریس انور کا جو کل بزم میں دیکھا — اکبر نے کہا یہ کہ خرابی کے ہیں آثار
معنی میں بھی ہو جائے گا آخر کو تغیر — تبدیلیِ صورت کے ہیں گر یہی اطوار
خالق کی عبادت سے حجاب آنے لگے گا — شرماؤ گے کرتے ہوئے اسلام کا اظہار
ہرگز نہ خوشی ہوگی عزیزانِ وطن سے — بنگلے میں نہاں ہوگے کہیں چھوڑ کے گھر بار
فاتح سے مساوات کی آئیں گی اُمنگیں — وہ زیست جو آساں تھی ہو جائیگی دشوار
آپس میں بھی تم لوگ موافق نہ رہو گے — ایک ایک کو دیکھے گا بہ اکراہ و بہ انکار

جلد دوم

آخر کو رہو گے نہ ادھر کے نہ اُدھر کے
انگریز بھی کھنچے رہیں گے قوم بھی بیزار

انور نے کہا صلِ علیٰ واہ بہت خوب | شک اس میں نہیں مدح کے قابل ہے یہ گفتار
لیکن یہ جو تعمیم ہے حضرت کے سخن میں | اس کو تو نہ تسلیم کرے گا یہ گنہگار
ہر مذہب و ملت میں ہیں اچھے بھی بُرے بھی | وہ کونسا فرقہ ہے کہ سب جس میں ہیں ابرار
ملبوس و مکاں کا جو کیا آپ نے مذکور | اس کے بھی بجا ہونے کا مجھکو نہیں اقرار
باطن سے ہے اخلاق حمیدہ کا تعلق | فطرت میں جو ہے نیک وہ بد ہو گا نہ زنہار
اوضاع زمانہ تو بدلتے ہی رہیں گے | رکتی نظر آتی نہیں دنیا کی یہ رفتار
ہے جس کو ضرورت وہ ضرورت سے ہے مجبور | ہے شوق جسے کیوں نہ کیا جائے وہ مختار
مقصود جو اصلی ہے وہ ہے دل کی درستی | یا ہیٹ و اُور کوٹ ہو یا جبہ و دستار
شبہہ مرے اس قول کی صحت میں اگر ہو | سُن لیجئے سعدی کا یہ ارشاد گہربار

حاجت بکلاہ برکی داشتنت نیست
درویش صفت باش و کلاہ تتری دار

ہیٹ را نہ بر سرمن جائے دستار اے عزیز | مرد تا منشر توانا شد چرا قبلہ شود
ناز کیا اس پہ کہ بدلا ہے زمانہ نے تمہیں | مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں
اکبر

۶۵- جدید معاشرت

چاہا جو میں نے ان سے طریقِ عمل و وعظ
بولے کہ نظمِ ذیل کو ارقام کیجیے

پیدا ہوئے ہیں ہند میں اس عہد میں جو آپ
خالق کا شکر کیجیے آرام کیجیے

بے انتہا مفید ہیں یہ مغربی علوم
تحصیل ان کی بھی سحر و شام کیجیے

یورپ میں پھر کے پیرس و لندن کو دیکھیے
تحقیقِ ملک کا شغل و شام کیجیے

ہو جائے طریقِ مغرب پہ مطمئن
خاطر سے محو خطرۂ انجام کیجیے

پیرانِ سلف فروغ کا گل ہو چکے چراغ
ناحق نہ دل کو تابعِ اوہام کیجیے

رکھیے نہ دل کو دیر و کلیسا سے منحرف
متروک قیدِ جامۂ احرام کیجیے

الفاظ کفر و فسق کو بس بھول جائیے
ہر ملت و طریق کا اکرام کیجیے

رہیے جہاں میں مست مشرب نیکنام
بنا کر مرید ہندوؤں کو رام کیجیے

رکھیے نمود و شہرت و اعزاز پر نظر
دولت کو صرف کیجیے اور نام کیجیے

سامان جمع کیجیے کوٹھی بنائیے
با صد خلوص دعوتِ احکام کیجیے

آرائشوں سے گھر کو مہذب بنائیے
تزئینِ طاق و سقف و در و بام کیجیے

یارانِ ہم مذاق سے ہم بزم ہو جیے
موقع ملے تو شغلِ مے و جام کیجیے

نظارۂ مساں سے تر و تازہ رکھے آنکھ — تفریح پارک میں سحر و شام کیجئے
مذہب کا نام لیجئے عامل نہ ہو جئے — جو متفق نہ ہو اُسے بدنام کیجئے
طرزِ قدیم پر جو نظر آئیں مولوی — پبلک میں ان کو مورد الزام کیجئے
قومی ترقیوں کی مشاغل بھی ہیں ضرور — اس مد میں بھی ضرور کوئی کام کیجئے
لڑکے نہ ہوں تو ہو نہیں سکتی چہل پہل — فکریں ہیں پئے وظیفۂ و انعام کیجئے
تحصیل چندہ کیجئے لڑکوں کو بھیجکر — سارا علاقہ ہند کا اب خام کیجئے
بے رونقی سے کاٹئے کیوں اپنی عمر کو — کیوں انتظار گردشِ ایام کیجئے

لیکن نہ بن پڑیں جو یہ باتیں حضور سے
مُردوں کے ساتھ قبر میں آرام کیجئے

اکبر

۶۶۔ نئے مشاغل

کوئی کہتا ہے رکھو صاحب سے میل — کہ آخر کی گھر میں رہے ریل پیل
کسی کی صدا ہے کہ ہندو بھلے — مری انجمن بھی اسی رُخ پہ چلے
کسی سمت کونسل کی ہے دل میں چوٹ — عوض لٹھ کے آپس میں چلتے ہیں ووٹ

بند دوم

کسی سر میں ہے لیڈری کی ہوس — کوئی شہد اسپیچ کی بے مگس
کوئی شوق تحقیق میں غرق ہے — کوئی راہ تقلید میں برق ہے
کسی کو ہے مضمون نگاری کی دھن — کوئی پند سننے کو سمجھا ہے پن
کسی کو عمارت بنانے کا شوق — کسی کو نمود و نمائش کا ذوق
کسی کو کوئی ٹوک سکتا نہیں — ہر اک کو کوئی روک سکتا نہیں
جدھر بحر ہستی بہائے بہیں — خدا سے دعا ہے کہ سب خوش رہیں
مگر شیخ سعدی کی ہے ایک بات — مسلماں کو ہے فرض ادھر التفات

خلافِ پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

اکبر

۶۷ - پردہ

کس نماند ست کہ در بیشہ شکارے بکند — تیغ گیرد بکفت و فتح دیارے بکند
ایں زماں ہمت مرداں ہمیں محدود ست — کہ زن از پردہ بروں آید و کارے بکند

بٹھائی جائیں گی پردہ میں بیبیاں کب تک — بنے رہو گے تم اس ملک میں میاں کب تک
طبیعتوں کا نمو ہے ہوائے مغرب میں — یہ غیرتیں یہ حرارت یہ گرمیاں کب تک

حرم سرا کی حفاظت کو تیغ ہی نہ رہی ــــ تو کام دینگی یہ چلمن کی تیلیاں کب تک
عوام باندھ لیں دوہر کو تھرڈ و انٹر میں ــــ سکنڈ و فرسٹ کی ہوں بند کھڑکیاں کب تک
جو منہ دکھائی کی رسموں پہ ہے مصر ابلیس ــــ چھپینگی حضرتِ حوّا کی بیٹیاں کب تک

جنابِ حضرتِ اکبر ہیں حامیِ پردہ
مگر وہ کب تک اور ان کی رباعیاں کب تک

حفظِ عصمت بھی سہی لیکن یہ پردہ ہند میں ــــ مسلموں کی جاہ و شان و تمکنت کی بات تھی
پردہ در کہتا ہے اب اس کی ضرورت ہی نہیں ــــ میرزایانہ اداتھی سلطنت کی بات تھی

خون میں غیرت رہی باقی تو سمجھے گا کبھی
خوب تھا پردہ نہایت مصلحت کی بات تھی

فرض عورت پر نہیں ہے چار دیواری کی قید ــــ ہو اگر ضبطِ نظر اور خودداری کی قید
ہاں مگر خودداری و ضبطِ نظر آساں نہیں ــــ منہ سے کہنا سہل ہے کرنا مگر آساں نہیں
تم میں وہ ضبطِ نظر ان میں وہ خودداری کہاں ــــ رعبِ قومی مثلِ فاتحِ ملک پرطاری کہاں
اب رہی تعلیم کون اس امر کا معتوں نہیں ــــ بیبیوں پر مغربی سانچا مگر موزوں نہیں

یہ تو ظاہر ہے حریفِ شوخ کیوں رکھنے لگا
شوق ہے لیکن خرابی یہ ہے میں کیوں جھکنے لگا

بے پردہ چند کل جو نظر آئیں بیبیاں | اکبر زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا | جلد دوم
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا | کہنے لگیں کہ عقلوں پہ مردوں کی پڑ گیا

چل بسے وہ جنھیں مقدور تھا خودداری کا | نہ وہ تقوی نہ وہ تعلیم نہ وہ دل کی امید
ولولے لیکے نکلنے لگے کالج کے جواں | شرمِ مشرق کے عدو شیوۂ مغرب کے شہید
نئی تہذیب نئی راہ نیا رنگ جہاں | دورِ گردوں کی کہاں تک کوئی کرتا تردید
بحث میں آ ہی گیا فلسفۂ شرم و حجاب | زہرہ ممبر ہوئیں دو ٹرسٹی جنابِ خورشید
دبی آواز کہا بھی جو کسی نے کہ جناب | کچھ مناسب نہیں اس وقت میں ایسی تمہید

شیخ صاحب ہی کا ہے بزم میں کیا رعب و قار
کہ خواتین کو پبلک میں ہو وقعت کی نوید

نعرے تکبیر کے اس پر ہوئے یاروں میں بلند | لڑکیاں بول اٹھیں خود بطریقِ تائید
اب حکومت نہیں باقی تو یہ غمزے کیسے | کون کونے میں کرے بیٹھ کے مٹی کو پلید
خود تو گِٹ پِٹ کے لیے جان دیئے دیتے ہو | ہم سے کہتے ہو کہ پڑھ بیٹھ کے قرآنِ مجید
دولہا بھائی کی یہ ہے رائے نہایت عمدہ | ساتھ تعلیم کے تفریح کی حاجت ہے شدید
کھل گئے ورنہ رہا شاہدِ مغرب میں حجاب | غل مچا ہرّے کا بول اٹھے یہ مغرب کے مرید

للہ الحمد ہر آں چیز کہ خاطر میخواست
آخر آمد زپسِ پردۂ تقدیر پدید

جلد دوم

جو ڈگری لیکے اسکولوں سے ہندی لڑکیاں نکلیں
کہوں کیسی نیو فیشن میں رشکِ لیڈیاں نکلیں

مہذب ہوگئیں جس دم وہ تہذیبِ جدید سے
تو کرتی اپنی ماں بہنوں پہ نکتہ چینیاں نکلیں

بزرگوں شوہروں کا کچھ لحاظ ان کو نہ پردہ کا
دماغوں میں وہ اپنے بھر کے یہ آزادیاں نکلیں

تماشوں تھیٹروں جلسوں کا ان کو شوق چرایا
ادھر پہنچیں اُدھر پہنچیں یہاں نکلیں وہاں نکلیں

کہیں کرکٹ کہیں ہاکی کہیں دوڑا کہیں پولو
غرض جس کھیل کو جی ان کا چاہا بیگیاں نکلیں

نہ مذہب سے غرض مطلب نہ کچھ ارکان مذہب سے
مگر تقلید یورپ کے لیے سب نغمہ خواں نکلیں

نئی تعلیم کو پا کر بقولِ حضرت اکبر
میاں مسجد سے نکلے اور حرم سے بیبیاں نکلیں

پردہ میں ضرور رہی طوالت بیجد
انصاف پسند کو نہیں چاہئے ہٹ

تشبیہ بری نہیں اگر میں یہ کہوں
بیگم ہے پچوان لیڈی سگرٹ

اکبر

۶۸ - بیگم اور لیڈی کی دو دو باتیں

کہا ایک بیگم سے لیڈی نے اکدن
کہ موجودہ تہذیب سے تم ہو عاری

نئی روشنی کا اثر کچھ نہیں ہے
پرانی ہیں جتنی ہیں باتیں تمہاری

سمجھتی ہو زیور کو زینت کا ساماں — خوشی سے اٹھاتی ہو یہ بوجھ بھاری

بناوٹ سے تم چاہتی ہو چمکنا — لگاتی ہو کپڑوں پہ گوٹا کناری

وہی کرتی انگیا وہی بند محرم — چلی جاتی ہے حسن کی پردہ داری

یہ سب کام باہر ہیں تہذیب سے اب — نشانِ جہالت ہیں باتیں یہ ساری

سلیقہ نہیں بات کرنے کا تم کو — سرِ بزم کیوں کر نہ حاصل ہو خواری

نہ تہذیب تم میں نہ شائستگی ہے — نئی روشنی میں چلن ہے گنواری

رہا کرتی ہو قید گھر میں ہمیشہ — نہ سیرِ سیاحت نہ شوقِ سواری

تمھیں اس سے کیا، تم اسیرِ قفس ہو — چلے باغ میں لاکھ بادِ بہاری

مصیبت سے دن کاٹتی ہو جہاں میں — یہ جینا ہے یا نزع کی دم شماری

تمھیں جیتے جی مار رکھا ہے اس نے
پڑی بھاڑ چولھے میں یہ وضعداری

کہا سن کے بیگم نے اے میم صاحب — بس اب چپ ہو آتی ہے میری باری

نئی روشنی کے نئے گیت گا کے — بہت تم نے بڑھ بڑھ کے شیخی بگھاری

تماشا تو دیکھو کہ پردہ اٹھا کر — بنی پھرتی ہے میم میری بچاری

نظر پڑتی ہے غیر لوگوں کی ہر دم — تمہارا یہ چہرہ ہے یا چاند ماری

کیا کرتی ہو غیر مردوں سے باتیں پھٹکتی نہیں پاس تک شرمساری
ہوئی ڈولی اور بند گاڑی سے نفرت پسند آئی بائیسکل کی سواری
نہیں تم کو سیر و سیاحت سے فرصت بُری طرح برباد ہے خانہ داری
نہ اتراؤ میموں کا سا پہن کر کہ صورت ہے کالی کلوٹی تمہاری
چلا ہنس کی چال اپنی بھی بھولا نہ کام آئی کوّے کی کچھ ہوشیاری
نہ بیگم ہے کوئی نہ رانی ہے کوئی نہ زیب النسا ہے نہ چنچل کماری
مسز اور مس بنگئیں عورتیں سب لقب ہے نہ بیاہی بچی ہے نہ کنواری
ترقی کرو علم و شائستگی میں نہ چھوڑو مگر اپنی تم وضعداری
کوئی آنکھ بھر کر نہیں دیکھ سکتا حکومت کا میموں کی سکہ ہے جاری
ہمیں زیب دیتی نہیں ریس ان کی حکومت سے پھبتی ہیں باتیں پیاری

وجاہت مناسب ہے سب عورتوں کو
کریں ننگ و ناموس کی پاسداری

وجاہت

۶۹۔ کشاکش

مسانِ خود فروش آخر فرستادند این ملبا طلب کردند زر چنداں کہ خوں افتاد در دلہا

جلد دوم

نشاطِ طبع برہم شد شکست آں رنگ محفلہا   الا یا ایہا الساقی ادر کاساً و ناولہا

کہ عشق آساں نمود اوّل ولے افتاد مشکلہا

ادھر بے علم دیں ہی نورِ ایماں قلب سے زائل   ادھر کالج کا بیڑا پار کرنے پر ہی دل مائل

ادھر ہی نوکری دشوار چکر میں ہی ہر سائل   شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل

کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

نہ قیدِ شرع باقی ہی نہ آزادی کی ہی کچھ حد   نہیں کچھ گفتگو اس باب میں یہ نیک ہی یا بد

بزرگوں کا یہی فتوی ہی کہ پڑھ قانون سر سید   بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیرِ مغاں گوید

کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسم منزلہا

کہاں کی متقی بنتی جب طبیعت ہی نہ تھی حاضر   مقیم دہر تھے دلچسپ تھی بزمِ بتِ کافر

نہ تھا کچھ پاس ایماں دل کی تھی یہ نقطہ خاطر   ہمہ کارم ز خودکامی بہ بدنامی کشید آخر

نہاں کے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا

جو ہونا چاہتا ہے بدر بنجا ماہِ نو حافظ   نہ کر آرام رہ راہِ طلب میں تیز رہ حافظ

لگے رہو اسی سے رات دن تو اپنی لو حافظ   حضوری گر ہمی خواہی ازو غافل مشو حافظ

متیٰ ما تلق من تہویٰ دع الدنیا واہملہا

اکبر

۷۰۔ ممبری کونسل

الا یا ایها الساقی بده ووٹے بمحفلها — که سیٹ آساں نمود اول ولے افتاد مشکلها

رفیقاں سست و طاقت دولت و صرفِ دل بحیں — چرا افتی پئے نامے دریں گرداب مشکلها

رہِ پیچیدۂ سرِ حکومت بر تو نہ کشاید — مگر چوں مارکا ہل حلقہ زن باشی دریں بلها

عبث ای ہمنشیں قربِ مشیّنِ مغربی خواہی — کہ جز دو وے ترا حاصل نمی گردد ازیں ملها

حکومت پارلیمنٹی بنا شد اندریں کشور — ولے میٹو بجنگ آید ہم از بہر کونسلها

ہوس در سینہ می جوشد کہ جاں دہ اندریں منزل — خرد در گوشش میگوید کہ بر بندید محملها

چو ذوقِ خدمتِ ملک ست و حاجت نیست با کونسل — بکن تحریر در اخبار و نطقے دہ بمحفلها

اگر جوشِ مضامین ست در طبعِ بلیغ تو — بگو افسانہائے دردِ دل در شکلِ ناولها

نمیگویم کہ موجِ شوقِ عزت ہست بے معنے — ہمی گویم نگہ دارید کشتیها و ساحلها

برآر از دل یکے دستِ دعا در حضرتِ باری — کہ تا بخشد دلت را امتیازِ حق و باطلها

اگر حاکم کند ایما طلب کن ووٹ خوش بنشیں — کہ سالک بیخبر نبود ز راہ و رسمِ منزلها

بسوئے شہرتے کا خر گزٹ زاں مژدہ بکشاید — حریفاں مضطرب گردند و شور افتد بمحفلها

چو در کونسل رسی با صد ادب مشغولِ خدمت شو
متیٰ ما تلق من تہوی دع الدنیا و اہملها

۱۔ مشرق و مغرب

مشرقی میں کشش ہے روحانی مغربی میں ہے میل جسمانی
کہا منصور نے خدا ہوں میں ڈارون بولے بوزنا ہوں میں
ہنس کے کہنے لگے مرے اک دوست
فکرِ ہر کس بقدرِ ہمتِ اوست

مشرقی تو سرِ دشمن کو کچل دیتے ہیں مغربی اس کی طبیعت کو بدل دیتے ہیں
ضعفِ مشرق نے تو رکھا پاؤں کو پھیلا دیا مغربی فقروں نے لیکن منہ کو ابکن کر دیا
بھولتا جاتا ہے یورپ آسمانی باپ کو بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو
برق گر جائیگی اکدن اور اڑ جائیگی بھاپ دیکھنا اکبر بچائے رکھنا اپنے آپ کو

اکبر

۲۔ حکمت

فتادگی میں یہ عزت ہے دیکھ لے سرکش کہ نیک و بد نے کیا نقشِ پا کو راہ نما
بلند ہمت اگر ہوں نہ زیرِ چرخِ ضعیف ہلال عید ہو عالم کا کیوں کہ روزہ کشا

جو ناتواں نہ کریں دستگیریِ دشمن ۔ تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھو برپا

جفائے دہر کرے سنگ دل کو نازک دل بنے ہے شیشہ جہاں میں گداز ہو خارا

نہیں ہے کام مجھے شعر و شاعری سے و لے خرد نے مجھکو نصائح سے بارہا یہ کہا

زباں پہ لا سخنِ خوب تو نہ رکھ دل میں کہ اس گُہر کی نہیں قدر جو صدف میں رہا

مرے سخن کی مرے بعد زیادہ ہووے قدر گہرِ یتیم جو ہووے تو ہو فزو دبہا

کسی کی دل شکنی سے جو خوش کریں دل کو وہ کون لوگ ہیں کیسے ہیں کیا ہیں مجھکو بتا

و لے شکست یہی اس فقیر کو بھاوے قدحِ طمع کا اگر توڑے سنگِ استغنا

برنگ عکس سُبک سار بحرِ دُنیا میں

تو رہ کہ موجِ حوادث نہ دیوے تجھکو بہا

سودا

۳۷۔ حکمت

نہیں تم کو لازم بُرائی کی باتیں بھلوں کو ہیں زیبا بھلائی کی باتیں

غضب ہے کہ دل میں تو رکھو کدورت کرو مُنہ پہ ہم سے صفائی کی باتیں

قفس میں ہے کیا فائدہ شور و غل سے اسیرو کرو کچھ رہائی کی باتیں

ظفر کیا زمانہ بُرا آگیا ہے
جدھر دیکھو ہیں وہاں بُرائی کی باتیں

ظفر

۴۷۔ حکمت

سرزمینِ ہند کا میوہ ہے پھوٹ
بوالہوس گرتے ہیں اس پر ٹوٹ ٹوٹ

بیٹھ کر کالج میں انگریزی علوم
رٹ لیے لیکن نہ پایا ان کا روٹ

جا کہیں سے مول لا عقلِ فرنگ
کیا ہُوا پہنا اگر واسن کا بوٹ

صانعِ قدرت نے بھر دیں کس قدر
صنعتیں یورپ کے سر میں کوٹ کوٹ

بے ہنر ہاتھوں میں ہیں بیکار سے
مالوے کی روئی بنگلے کا جوٹ

زالِ دُنیا کی نمایش دیکھ کر
اچھے اچھوں کا وضو جاتا ہے ٹوٹ

سچ کی پاؤ گے صدا ہر دم کڑی
آخرش ہیں بول ہی جاتا ہے جھوٹ

کیا ہمارے شعر اور کیا شاعری
گا رہا ہے اور وہ بھی جھوٹ موٹ

اسمٰعیل

۵۷۔ رحم و انصاف

ایک دن رحم نے انصاف سے جا کر پوچھا
کیا سبب ہے کہ ہے دنیا میں ترا نام بڑا

نیک نامی سے تری سخت تحیر ہے ہمیں
ہاں سنیں ہم بھی کہ ہے کونسی خوبی تجھ میں

دوستی سے ہے تجھے کچھ دوستوں کو کام نہیں
آنکھ میں تیری مروت کا کہیں نام نہیں

اپنے بیگانے ہیں سب تیری نظر میں یکساں
دوست کو فائدہ ہے تجھ سے نہ دشمن کو زیاں

لطف ہے تیری طبیعت میں نہ کچھ جوشِ غضب
تجھ کو خردوں پہ ہے شفقت نہ بزرگوں کا ادب

کانپتے آتے ہیں محفل میں تری شاہ و گدا
تجھ سے تھراتے ہیں احباب ہوں یا ہوں عدا

جان پہچان کا ساتھی ہے نہ احباب کا دوست
یار ہندو کا ہے تو اور نہ مسلمان کا دوست

نہیں جائز تری مذہب میں کسی کی امداد
تیرے نزدیک برابر ہے غلام اور آزاد

دم میں تو صحبتِ دیرینہ بھلا دیتا ہے
دوستی خاک میں برسوں کی ملا دیتا ہے

طور برتاؤ کا ہے سب سے نرالا تیرا
تجھ سا روکھا کوئی دنیا میں نہ دیکھا نہ سنا

ہٹ پہ تو اپنی جہاں نام خدا آ جائے
باپ کے ہاتھ سے بیٹے کا گلا کٹوائے

ایک تو ہے کہ یگانوں کے ہیں دل تجھ سے فگار
ایک میں ہوں کہ نہیں غیر بھی مجھ سے بیزار

رحم ہے نام مرا لطف و کرم کام مرا — فیض ویرانہ و آباد میں ہے عام مرا
حق کے الطاف و عنایت کا بہانہ ہوں میں — خلق کی کام روائی میں یگانہ ہوں میں
مری سرکار میں ہو جاتی ہیں سب عذر قبول — میری دربار سے جاتے نہیں مجرم بھی ملول
لطف ہے عام سدا اہلِ خطا پر میرا — ہاتھ اٹھتا نہیں خونی کی سزا پر میرا
مجھ سے ہی شرم و مروت مرے دربار کے ہیں — بخشش و جود ملازم مری سرکار کے ہیں
میں ہر اک درد میں ہو جاتا ہوں ان کے شریک — میں نہ ہوتا تو نہ دیتا کوئی محتاج کو بھیک
میں ہی دیتا ہوں یتیموں کو دلاسا جا کر — میں ہی لیتا ہوں برے حال میں رانڈوں کی خبر
میرے ہی دم سے ہے آدم کا نمونہ باقی — میرے ہی دم سے ہے عالم میں نمودِ بشری
ورنہ انسان کہ ہے جرم و خطا کا پتلا — میں نہ ہوتا تو بھلا اس کا ٹھکانا کیا تھا

تجھ سے ہوتا اگر اے عدل جہاں تنگ و تار
لٹ گئی ہوتی کبھی کی مرے گلشن کی بہار

جب سنا رحم سے یہ ولولہ انگیز خطاب — کہا انصاف نے ہو حکم تو دوں اس کا جواب
آپ کی نیکیوں سے کس کو ہے انکار یہاں — کیوں کہ ہے ذکرِ جمیل آپ کا مشہور جہاں
مگر اے رحم برا ماننے کی بات نہیں — نیکیاں آپ کو کر دیں نہ یہ بدنام کہیں
ہم نے مانا کہ مروت بھی بڑی ہے اک چیز — پر مروت کے لیے شرط ہے اے دوست تمیز

کھو دیا جس نے مروت کو یہاں عام کیا — اس کو رسوا کیا اور آپ کو بدنام کیا

بول سنتے نہیں آفت کے یہ پرکالے ہیں — اس مروت نے تری سیکڑوں گھر گھالے ہیں

دوستوں کو ہے اشارہ کہ کسی سے نہ ڈرو — دشمنوں سے یہ مدارا ہے کہ جا ہو سو کرو

چور چوری سے نہیں ڈرتے بدولت تیری — لیے پھرتی ہے اچکوں کو حمایت تیری

ہوا جس ملک میں سرکار کا جاری فرماں — اس کو سمجھو کہ ہوا اب کوئی دن میں ویراں

باپ کا حکم نہیں مانتے فرزند رشید — اور نوکر نہیں دیتے کبھی آقا کو رسید

لڑکے استاد کی گھرکی کو نہیں مانتے کچھ — بدمعاش اہلِ پولیس کو نہیں گردانتے کچھ

اہلکاروں کا کچہری میں جو دیکھو بیوپار — سمجھو دیوانِ عدالت کو کہ ہی اک بازار

پیٹ پکڑے ہوئے واں پھرتے ہیں حاجت والے — اور منہ کھولے ہوئے بیٹھے عدالت والے

نہیں حاکم کی مروت سے انھیں خوفِ مآل — بول کیا لایا ہی اظہار کا پہلا ہی سوال

ہر طرف بیچ میں دلال ہیں کچھ چھوٹ رہے — دونوں ہاتھوں سی غرض مندوں کو ہیں لوٹ رہے

یوں تو اے رحم تری ذات میں جوہر ہیں بہت — خیر تھوڑی ہے مگر آپ میں اور شر ہیں بہت

ایک رہزن کو جو تو قہر سے چھڑواتا ہی — بیسیوں قافلوں کو جان سے لٹواتا ہی

باپ کو ہونے نہیں دیتا جو بیٹے سے خفا — بے ادب کہنا اسے چاہتا ہے تو گویا

مار پر اٹھنے نہیں دیتا جو استاد کا ہاتھ — یہ سلوک اچھے نہیں ہیں تری شاگرد کے ساتھ

میٹھی باتوں میں تری زہر ہلاہل ہے بھرا — تیرا آغاز تو اچھا ہے پہ انجام برا — جلد دوم

کاش تو بھی مرے قانون پہ چلتا اے رحم
اپنے اندازے سے باہر نہ نکلتا اے رحم

بے مروت ہوں اگر میں تو یہ جوہر ہے مرا — جس کو تو عیب سمجھتا ہے وہ جوہر ہے مرا
راستبازی جو سنی ہو وہ طبیعت ہے مری — اور عدالت جسے کہتے ہیں وہ عادت ہے مری
معتدل نام ہے جس کا وہ مزاج اپنا ہے — بھاگ اس ملک کے جس ملک میں راج اپنا ہے
حکم سے میرے ہوئی کونسلوں کی ماموری — سائے سے میرے بنیں سلطنتیں جمہوری
مجلسیں سیکڑوں ملکوں میں بٹھائیں میں نے — راہیں اغلاط سے بچنے کی سجھائیں میں نے
جس طرح ظلم کا میں رحم روا دار نہیں — میں اسی طرح سے تیرا بھی مددگار نہیں
سر ذرا جس نے اٹھایا اسے کھو کر چھوڑا — پاپ کی ناؤ کو دریا میں ڈبو کر چھوڑا
کارفرما ہے جہاں میری عدالت اے رحم — دم نہیں مارتی واں تیری مروت اے رحم
واں تعصب کا پتہ اور نہ عداوت کا گزر — نہ قرابت کا نشاں اور نہ محبت کا اثر
حکم جاری ہے جدھر دیکھیے آزادی کا — بڑھ کے چلتا نہیں واں شاہ سے لے تا بہ گدا
پاک بازوں کو نہیں عہد میں میرے کھٹکا — جو کہ گندے ہیں وہی مجھ سے کھٹکتے ہیں سدا
ہیں خطا کار کے دشمن در و دیوار یہاں — بھائی بھائی کے نہیں ہوتے مددگار یہاں

جلد دوم اور اگر عیب سے ہی پاک کسی کا دامن — غم نہیں اس کو ہو گر سارا زمانہ دشمن
جو ہنر مند ہیں دل ان کے بڑھاتا ہیں ہوں — خوبیاں ان کی زمانہ میں جتاتا ہیں ہوں
بے ہنر ہو کسی پیرائے میں یہاں جلوہ نما — عہد میں میرے ہنرمند نہیں بن سکتا
یہاں نہ استاد کو شاگرد کی اصلاح سے عار — اور نہ شاگرد کو اپنی غلطی پر اصرار
سنتے جاہل سے ہیں گر فائدہ کی بات حکیم — مستفیدوں کی طرح کرتے ہیں اس کو تسلیم
ذکر آقا کی جتاتا ہے اگر کوئی خطا — بن نہیں آتا کچھ آقا سے ندامت کے سوا
اونچی اونچوں سے یہاں لیتے ہیں خدمت پوری — اور مزدوروں کو دیتے ہیں کھری مزدوری
محنتی جتنے ہیں یہاں خرم و دلشاد ہیں سب — خوار پھرتے ہیں وہی جو کہ ہیں آرام طلب
اہل مقدور کو کھٹکا نہیں کچھ چوروں سے — زورمند آنکھ ملاتے نہیں کمزوروں سے

جس طرف جائے گا امن و امان کا ہے عمل
فتنہ سرحد سے مری جاتا ہے کترا کے نکل

گفتگو ختم یہ انصاف کی جب آ پہنچی — عقل پر کار قضا کار وہاں آ پہنچی
وہاں جو دیکھا تو ہے دو بھائیوں میں کچھ تکرار — اور ہر اک کو بزرگی پہ ہے اپنے اصرار
رحم ادھر عدل سے کہتا ہے کہ تو ہے کیا چیز — اور ادھر رحم کو ہے عدل سمجھتا ناچیز
عقل نے دونوں کی تقریر سنی سرتاپا — کہہ چکے وہ تو یہ سنجیدہ جواب ان کو دیا

جلد۴م

خیر اک کان ہے تم جس کے ہو جو ہر دونوں — ایک سے ایک ہو تم بہتر و برتر دونوں
صاف کہتی ہوں سن ای رحم نہیں اس میں خلاف — تو ہے اک قالب بے روح نہو گر انصاف
اور سن لے عدل نہیں اس میں تکلف ہے تو — گر نہ ہو رحم تو اک دیدۂ بے نور ہے تو
دونوں تم خلق کے ہو مایۂ آرام و شکیب — گل و شبنم کی طرح ایک سے ہے ایک کو زیب
سرسری فیصلہ تو یہ ہے اگر تم مانو — اور نہیں مانتے گر بات مری تم جانو
ابھی اک نکتے میں تم دونوں کو جھٹلاتی ہوں — لو سنو غور سے میں کہتی ہوں اور جاتی ہوں
میں تو سمجھی تھی کہ فرزانہ و پرکار رہو تم — پر تمہیں دیکھ لیا جیسے سمجھدار رہو تم

فرق اصلا نہیں تم دونوں میں لڑتے کیوں ہو
جبکہ تم ایک ہو آپس میں جھگڑتے کیوں ہو

...ن اک شمر ہے نہ ہے عدل کہیں نام اس کا — کہیں مظلوم کی فریاد رسی کام اس کا
رحم کہلائے جو مظلوم کی فریاد سنے — عدل ٹھیرے جو نہ ظالم بے رحم کو دے
وہی شفقت ہے کہ استاد کی ہے مار کبھی — اور ماں باپ کی ہو جاتی ہے چمکار کبھی
وہی شفقت ہے کہ ہے گھر کی کہیں چار کہیں — وہی جلوہ ہے کہ ہے نور کہیں نار کہیں
کہیں وہ مہر کی صورت میں عیاں ہوتی ہے — اور کہیں قہر کے پردے میں نہاں ہوتی ہے
کہیں وہ قند مکرر کا مزا دیتی ہے — اور کہیں چاشنی موت چکھا دیتی ہے

جلاذم یہی شفقت ہے کہ زخمی کہیں کرواتی ہے — یہی شفقت ہے کہ پھر زخم کو بھرواتی ہے

رحم اور عدل سے جب عقل نے تقریر یہ کی — اور دی ساتھ ہی حالی نے شہادت اس کی

رہی باقی نہ فریقین میں جا بٹے انکار — چارناچار کیا یک جہتی کا اقرار

بڑھ کے پھر دونوں ملے ایسے کہ تھے گویا ایک

مل کے ہو جائیں کہیں جیسے کہ دو دریا ایک

حالی

۷۶۔ بارش کا پہلا قطرہ

گھنگور گھٹا تلی کھڑی تھی — پر بوند ابھی نہیں پڑی تھی

ہر قطرے کے دل میں تھا یہ خطرہ — ناچیز ہوں میں غریب قطرہ

تر مجھ سے کسی کا لب نہ ہوگا — میں اور کی گوں نہ آپ جوگا

کیا کھیت کی میں بجھاؤں گا پیاس — اپنا ہی کروں گا ستیاناس

آتی ہے برسنے سے مجھے شرم — مٹی پتھر تمام ہیں گرم

خالی ہاتھوں سے کیا سخاوت — پھیکی باتوں میں کیا حلاوت

کس برتے پہ میں کروں دلیری — میں کون ہوں کیا بساط میری

جلد دوم

ہر قطرے کے دل میں تھا یہی غم | سرگوشیاں ہو رہی تھیں باہم
کھچڑی سی گھٹا میں پک رہی تھی | کچھ کچھ بجلی چمک رہی تھی

اِک قطرہ کہ تھا بڑا دلاور | ہمت کے محیط کا شناور
فیاض وجواد و نیک نیت | بھڑکی اس کی رگ حمیت
بولا للکار کر کہ آؤ | میرے پیچھے قدم بڑھاؤ
کر گزرو جو ہو سکے کچھ احسان | ڈالو مُردہ زمیں میں جان
یارو یہ اگر مگر کہاں تک | اپنی سی کرو بنے جہاں تک
مل کر جو کرو گے جانفشانی | میدان پہ پھیر دو گے پانی

کہتا ہوں یہ سب سے برملا میں
آتے ہو تو آؤ لو چلا میں

یہ کہکے وہ ہوگیا روانا | دشوار ہے جی پہ کھیل جانا
ہر چند کہ تھا وہ بے بضاعت | کی اس نے مگر بڑی شجاعت
دیکھی جرأت جو اس سخی کی | دو چار نے اور پیروی کی
پھر ایک کے بعد ایک لپکا | قطرہ قطرہ زمیں پہ ٹپکا
آخر قطروں کا بندھ گیا تار | بارش لگی ہونے موسلا دھار

پانی پانی ہوا بیاباں ۔ سیراب ہوئے چمن خیاباں
تھی قحط سے پائمال خلقت ۔ اس مینہ سے ہوئی نہال خلقت
جراءت قطرے کی کر گئی کام ۔ باقی ہے جہاں میں آج تک نام
اے صاحبو قوم کی خبر لو ۔ قطروں کا سا اتفاق کر لو

قطروں ہی سے ہوگی نہر جاری
چل نکلینگی کشتیاں تمہاری

اسمٰعیل

۷۷۔ اتفاق اور نفاق

منزلِ ہستی کا ہوں میں رہنموں ۔ کچھ نہ ہو لے پھوٹ اگر میں نہ ہوں
میرا اگر ہو نہ قدم درمیاں ۔ زیر و زبر ہو ابھی نظم جہاں
دانوں کو دیتا ہوں میں خرمن بنا ۔ قطروں سے دیتا ہوں میں دریا بہا
ڈھیلوں سے چنتا ہوں حصار حصین ۔ ریشوں کو کر دیتا ہوں حبل المتیں
مجھ سے ہی ہر قوم امانت طلب ۔ کرتے ہیں طاقت مری تسلیم سب
قوموں کے اقبال کی میں ہوں دلیل ۔ میں نہیں جس قوم میں وہ ہی ذلیل

میرا ہی جس ملک میں جاری عمل — واں کبھی آنے نہیں پاتا خلل

ملک ہیں آباد میری ذات سے

یمن ہے اک میری کرامات سے

الحذر اس وقت سے اے اتفاق — آن کے جب کہتی ہوں میں الفراق

آگئے اس قوم کے بس دن برے — حق نے کیا جس پہ مسلط مجھے

کوہ کو کرتی ہوں پرِ کاہ میں — شیروں کو کر دیتی ہوں روباہ میں

آگ پہ گویا کہ ہوں بارود میں — قوموں کو کر دیتی ہوں نابود میں

ہوگیا جس ملک میں یاں میرا راج — قحط و وبا کی نہیں واں احتیاج

قحط و وبا کرتے ہیں جانیں تلف — کھوتی ہوں میں قوم کا عزت شرف

دیتے ہیں وہ قوم کی گنتی گھٹا

کرتی ہوں میں قوم کو بالکل فنا

حالی

۵۷۔ جہالت

سیکڑوں گھر جہل نے گھالے ہیں یاں — پڑے بہت عقلوں پہ ڈاکے یاں

جہل کا چھایا ہے اندھیرا جہاں ملک کو ظلمت نے ہے گھیرا جہاں
ٹھیک نہیں سوجھتی واں کوئی چیز نفع و ضرر میں نہیں ہوتی تمیز
قوم کی تعریف نہیں جانتے اپنی حقیقت نہیں پہچانتے
کر نہیں سکتے وہ حقایق میں غور کہتے ہیں جز اور ہی شئی ہے اور
جانتے دریا کو ہیں اک شئی جدا قطروں سے کہتے ہیں کہ وہ ہے جدا
پر یہ عزیزوں کو نہیں سوجھتا ہے انہیں قطروں سے وہ دریا بنا
بس یہی انسان کی غلط کاریاں دیتی ہیں پہنچا اسے اکثر زیاں
ہوتا ہے بیٹھا ہوا جس شاخ پر تولنے لگتا ہے اسی پر تبر
چلنے کو جس راہ میں ہوتا ہے وہ کانٹے اسی راہ میں بوتا ہے وہ
پینے کا جو اس کو ہے جاں بخش جام زہر ملاتا ہے اسی میں وہ خام

حق کبھی ہونے نہیں دیتیں عیاں
جہل کی چھائی ہوئی تاریکیاں

حالی

۷۹۔ خود پسندی کی تضحیک

کہتے ہیں اک امیرزادہ کو تھا خدنگ افگنی کا شوق کہیں

خصلتیں جو امیر زادوں میں | لازمی ہیں وہ اس میں بھی سب تھیں
گوکہ رکھتا نہ تھا ہنر کوئی | اس پہ تھا خودپسند اور خود بیں
کچھ نہ تھا پر سمجھتا تھا سب کچھ | علم تیر و کماں میں سے اپنے تئیں
واہ وا سنتے سنتے یاروں کی | ہوگیا تھا ہنر کا اپنے یقیں
الغرض ایک روز صحرا میں | جب کہ تھے ساتھ سب جلیس و قریں
مشق تیر افگنی میں تھا مصروف | گرد بیٹھے تھے خوشامدی تحسیں
آکے دیکھا جو اک ظریف نے حال | وجہ تحسیں ہوئی نہ ذہن نشیں
تیر جتنے کمان سے چھوٹے | پائے سب بے اصول و بے آئیں
جاکے بھولے سے بھی نہ پڑتا تھا | تیر آماجگہ کے کوئی قریں
ایک جاتا تھا چھٹ کے سوئے شمال | ایک جاتا تھا پھٹ کے سوئے یمیں
کچھ جو شوخی ظریف کو سوجھی | رکھ کے بالائے طاق سب تمکیں
خاک تودے پہ جاکے ہو بیٹھا | لوگ کرتے رہے چناں و چنیں
ناوک انداز بولا چلاکر | کوئی تجھکو جنوں ہوا ہے مکیں
یا خفا ہو کے گھر سے آیا ہے | یاکہ دو بھر ہی تجھکو جانِ حزیں
عرض کی چارہ کیا ہی اس کے سوا | جب کہ جائے گریز ہو نہ کہیں

زد سے ان بے پناہ تیروں کی — کہیں جاندار کو امان نہیں

مجھکو ہر پھر کے شش جہت میں حضور

امن کی اک جگہ ملی ہے یہیں

حالی

۸۰ سخت گیری

ایک آقا تھا ہمیشہ نوکروں پر سخت گیر — درگزر بھی اور نہ ساتھ ان کے رعایت تھی کہیں

بے سزا کوئی خطا ہوتی نہ تھی ان کی معاف — کام سے مہلت کبھی ملتی نہ تھی ان کے تئیں

حسن خدمت پر اضافہ یا صلہ تو درکنار — ذکر کیا نکلے جو چھوٹے منہ سے اک آفریں

پاتے تھے آقا کو وہ ہوتے تھے جب اس سے دوچار — نتھنے پھولے منہ چڑھا ماتھے پہ بل ابرو پہ چیں

تھی نہ جز تنخواہ نوکر کے لئے کوئی فتوح — آ کے ہو جاتے تھے خائن جو کہ ہوتے تھے امیں

رہتا تھا اک اک شرائط نامہ ہر نوکر کے پاس — فرض جس میں نوکر اور آقا کے ہوتے تھے تعیں

گر رعایت کا کبھی ہوتا تھا کوئی خواستگار — زہر کے پیتا تھا گھونٹ آخر بجائے انگبیں

حکم ہوتا تھا شرائط نامہ دکھلاؤ ہمیں — تا کہ یہ درخواست دیکھیں واجبی ہے یا نہیں

واں سوا تنخواہ کے تھا جس کا آقا ذمہ دار — تھیں کریں جتنی وہ ساری نوکروں کے ذمہ تھیں

دیکھ کر کاغذ کو ہو جاتے تھے نوکر لاجواب
تھے مگر وہ سب کے سب آقا کے نارستیں

ایک دن آقا تھا اک منہ زور گھوڑے پر سوار
تھک گئی جب زور کرتے کرتے دستِ نازنیں

دفعتہً قابو سے باہر ہو کے بھاگا راہوار
اور گرا اسوار صدرِ زیں سے بالائے زمیں

کی بہت کوشش نہ چھوٹی پاؤں سے لیکن رکاب
کی نظر سائیس کی جانب کہ ہو آکر معیں

تھا مگر سائیس ایسا سنگدل اور بے وفا
دیکھتا تھا اور ٹس سے مس نہ ہوتا تھا لعیں

دُور ہی سے تھا اسے کاغذ دکھا کر کہہ رہا

دیکھ لو سرکار اس میں شرط یہ لکھی نہیں

حالی

۱۸- خودسری

ہے بیمار تو لیک بچنے کے قابل
گر اپنی خطا کو خطا جانتا ہے

مگر ایسے نادان کا کیا ٹھکانا
کہ جو درد ہی کو دوا جانتا ہے

بُرا مانتا ہے جو سمجھائے کوئی
بُرائی کو اپنی بھلا جانتا ہے

وہ انجام کو رُوئے گا سر پکڑ کر

نہیں اس میں دھوکا۔ خدا جانتا ہے

۸۲- مور اور کلنگ

دُم مور نے پھول کر دکھائی — اور بولا کلنگ سے کہ بھائی

کیا خوب ہیں نقش اور کیا رنگ — دُنیا ہے مجھے دیکھ کر ہوئی دنگ

میری سی کہاں ہے آپ کی دُم — کر سکتے نہیں مقابلہ تم

بولا اُس سے کلنگ ہنس کر — ہاں آپ کے لاجواب ہیں پر

لیکن نہیں کچھ بھی کام آتے — بچوں ہی کے دل کو ہیں لبھاتے

اُڑنے نہیں دیتی دُم تمہاری — لیتے ہیں پکڑ تمہیں شکاری

یہ کہہ کے پروں کو پھڑپھڑا کے — بولا اونچا ہوا پہ جا کے

آؤ کریں آسماں کا پھیرا — کچھ دُم ہی تو ساتھ دے وہ میرا

مُنہ اپنا سا لیکے رہ گیا مور — تھا اس میں کہاں اُڑان کا زور

بھاتا ہے جنھیں ذرا دکھاوا — وہ لوگ ہیں مور کے بھی باوا

بس ان کو ہے ٹیپ ٹاپ کی دُھن — شیخی کے سوا نہیں کوئی گن

دیکھیں کسے یاد ہے زبانی

مور اور کلنگ کی کہانی

۸۳۔ ملمع کی انگوٹھی

چاندی کی انگوٹھی پہ جو سونے کا چڑھا جھول — اوچھی تھی لگی بولنے اترا کے بڑا بول

چاندی کی انگوٹھی کے نہیں ساتھ رہونگی — وہ اور ہے میں اور یہ ذلت نہ سہونگی

میں قوم کی اونچی ہوں بڑا میرا گھرانا — وہ ذات کی گھٹیا ہے نہیں اس کا ٹھکانا

میری سی چمک اس میں نہ میری سی دمک ہے — چاندی ہے کہ ہے رانگ مجھے اس میں بھی شک ہے

میری سی کہاں چاشنی میرا سا کہاں رنگ — وہ مول میں اور تول میں میری نہیں پاسنگ

اے دیکھنے والو تمہیں انصاف سے کہنا
چاندی کی انگوٹھی بھی ہے کچھ گہنوں میں گہنا

یہ سنتے ہی چاندی کی انگوٹھی بھی گئی جل — اللہ رے ملمع کی انگوٹھی تری چھل بل

سونے کے ملمع پہ نہ اترا مری پیاری — دو دن میں بھڑک اس کی اتر جائیگی ساری

مت بھول کبھی اصل کو اپنی ارے احمق — جب تاؤ دیا جائیگا ہو جائیگا منہ فق

سچے کی تو عزت ہی بڑھیگی جو کریں جانچ — مشہور مثل ہے کہ نہیں سانچ کو کچھ آنچ

کچھ دیر حقیقت کو چھپایا بھی تو پھر کیا — جھوٹوں نے جو سچوں کو چڑایا بھی تو پھر کیا

کھوٹے کو کھرا بن کے نکھرنا نہیں اچھا
چھوٹے کو بڑا بن کے ابھرنا نہیں اچھا

۴۸۔ مناقشہ ہوا اور آفتاب

بادِ صرصر نے کہا یوں ایک روز مہرِ تاباں سے کہ اے گیتی فروز

تو ہے علوی اور میں سفلی مگر زورِ بازو میں ہوں میں تجھ سے زبر

نیّرِ اعظم نے فرمایا کہ ہاں ہو اگر ثابت ز روئے امتحاں

ورنہ ہے باد در ہوا یہ قال و قیل ہیچ ہے دعویٰ نہ ہو جب تک دلیل

بولی جو یوں ہے تو اچھا یوں سہی ہاتھ کنگن کے لئے کیا آرسی

آیئے زور آزمائی کیجئے اس بکھیڑے کی صفائی کیجئے

اک مسافر اپنی دُھن میں تھا رواں اس کو ان دونوں نے تاکا ناگہاں

ہو گئے آپس میں طے قول و قرار جو لبادہ لے مسافر کا اُتار

بس اسی کے نام کا ڈنکا بجے

سر پہ دستارِ فضیلت وہ سجے

پھر تو آندھی بن کے چل نکلی ہوا ایسی بپھری کر دیا طوفاں بپا

اونچے اونچے پیڑ تھرّانے لگے جھوک سے جھوکوں کی چرّانے لگے

نونہالوں کی کمر بل کھا گئی پھول پتّوں پر قیامت آ گئی

جلد دوم

کانپ اٹھی اس دشت کے وحشی و طیر | مانگتے تھے اپنے اپنے دم کی خیر
ہو گیا دامانِ صحرا گرد برد | گھر گیا آفت میں وہ صحرا نورد
چاہتی تھی یوں لبادہ کو اچک | مدعی کو دوں سرِ میدان زک
جب ہوا لیتی تھی چکر میں لپیٹ | بیٹھ جاتا تھا وہ دامن کو سمیٹ
سینہ زوری سے نہ چوری سے ذری | کر سکی لیکن نہ کچھ غارت گری
باندھ لی کس کے مسافر نے کمر | تا ہوا کا ہو نہ کپڑوں میں گزر

تھک گئی آخر نہ اس کا بس چلا
ٹل گئی سر سے مسافر کے بلا

اب تھا جھگڑے تو نکلا آفتاب | روئے نورانی سے سرکا کر نقاب
تمکنت چہرے سے اس کے آشکار | چال میں اک بردباری اور وقار
وہ ہوا کی سی نہ تھی یاں دھوم دھام | کر رہا تھا چپکے چپکے اپنا کام
دھیمی دھیمی کرنیں چمکانے لگا | رفتہ رفتہ سب کو گرمانے لگا
اس مسافر کو پسینا آگیا | کھول ڈالے بند جی گھبرا گیا
اور آگے کو بڑھا تو دھوپ سے | تن بدن میں کچھ پتنگے سے لگے
اب لبادہ کو لیا کاندھے پہ ڈال | بدلی یوں نوبت بہ نوبت یاں کی چال

جب چڑھا خورشید سمت الراس پر — بیٹھ کر سایہ میں پھر تو گھاس پر

دوڑ چپ کے بس لیا دہ کو تار — واہ رے سورج لیا میدان مار

تیزی و تندی کے اب دیدہ بیں سب — کامیابی کا مگر ہے اور ڈھب

اس کا گر ہے نرمی اور آہستگی

سرکشی کی رگ اسی سے ہے دبی

اسمٰعیل

۸۵۔ کچھوا اور خرگوش

ایک کچھوے کے آگئی جی میں — کیجیے سیر و گشت خشکی میں

جا رہا تھا چلا ہوا خرگوش — اس سے ناحق اُلجھ پڑا خرگوش

میاں کچھوے تمہاری چال ہے یہ — یا کوئی شامت اور وبال ہے یہ

پاؤں یوں پھونک پھونک دھرتے ہو — گویا اُتو زمیں پہ کرتے ہو

کیوں ہوئے چل کے مفت میں بدنام — بے چلے کیا اٹک رہا تھا کام

تم کو یہ حوصلہ نہ کرنا تھا — چلّو پانی میں ڈوب مرنا تھا

یہ تن و توش اور یہ رفتار

ایسی رفتار پر خدا کی مار

بولا کچھوا کہ ہوں خفیف نہ حضور — ہیں تو ہوں آپ معترف بقصور

اگر آہستگی ہے جرم و گناہ — تو میں خود اپنے جرم کا ہوں گواہ

مجھکو جو سخت سست فرمایا — آپ نے سب درست فرمایا

مجھکو غافل مگر نہ جانیے گا — بندہ پرور برا نہ مانیے گا

یوں زبانی جواب تو کیا دوں — شرط بدکر جیتو تو دکھلا دوں

تم تو ہو آفتاب میں ذرہ

پر مٹا دوں گا آپ کا غرہ

سن کے خرگوش نے یہ تلخ جواب — کہا کچھوے سے یوں ز روئے عتاب

تو کرے میری ہمسری کا خیال — تیری یہ تاب یہ سکت یہ مجال

چیونٹی کے جو پر نکل آئے — تو یقیں ہے کہ اب اجل آئے

ارے بیباک بدزباں منہ پھٹ — تو نے دیکھی کہاں ہے دوڑ جھپٹ

جب میں تیزی سے جست کرتا ہوں — شہسواروں کو پست کرتا ہوں

گرد کو میری باد پا نہ لگے — لاکھ دوڑے مرا پتہ نہ لگے

ریل ہوں برق ہوں چھلاوہ ہوں — میں چھلاوے کا بلکہ باوا ہوں

تیری میری نبھے گی صحبت کیا — آسماں کو زمیں سے نسبت کیا

جس نے بھگتے ہوں ترکی و تازی — ایسے مرئیل سے کیا بدی بازی

بات کو اب زیادہ کیا دوں طول — خیر کرتا ہوں تیری شرط قبول

ہے مناسب کہ امتحاں ہو جائے — تاکہ عیب و ہنر عیاں ہو جائے

الغرض اک مقام ٹھیرا کر
ہوئے دونوں حریف گرم سفر

بس کہ زوروں پہ تھا چڑھا خرگوش — تیزی پھرتی سے یوں بڑھا خرگوش

جس طرح جائے توپ کا گولہ — یا گرے آسمان سے اولا

ایک دو کھیت چوکڑی بھر کے — اپنی چستی پہ آفریں کر کے

کسی گوشہ میں سو گیا جا کر — فکر کیا ہے چلیں گے ستا کر

اور کچھوا غریب آہستہ — چلا سینہ کو خاک پر گھستا

سوئی گھنٹے کی جیسے چلتی ہے — یا بتدریج چھاؤں ڈھلتی ہے

یوں ہی چلتا رہا بہ استقلال — نہ کیا کچھ ادھر ادھر کا خیال

کام کرتا رہا جو پے در پے
کر گیا رفتہ رفتہ منزل طے

حیف خرگوش رہ گیا سوتا — ثمرہ غفلت کا اور کیا ہوتا

جب کھلی آنکھ تو سویرا تھا سخت شرمندگی نے گھیرا تھا
صبر و محنت میں ہے سرفرازی سست کچھوے نے جیت لی بازی
نہیں قصہ یہ دل لگی کے لئے بلکہ عبرت ہے آدمی کے لئے

ہے سخن اِس حجاب میں روپوش
ورنہ کچھوا کہاں کہاں خرگوش

اسمٰعیل

۸۶- لاڈلا بیٹا

لاڈلا بیٹا تھا اک ماں باپ کا جان ماں کی اور پیارا باپ کا
دیکھ اسے ہوتے تھے دونوں باغ باغ تھا وہی لے دے کے اس گھر کا چراغ
ہر طرح اس کی رضا مقصود تھی جان تک اس کے لئے موجود تھی
پر وہ مکتب سے کتراتا تھا وہ نام سے پڑھنے کے گھبراتا تھا وہ
لکھنے پڑھنے کی نہ تھی ترغیب کچھ گوشمالی تھی نہ تھی تادیب کچھ
جب ہوا وہ نازپروردہ جواں رنگ لائیں اس کی بے پروائیاں

آ پڑا اس کا دہی آخر کو رنگ
لاڈلے بیٹوں کا جو ہوتا ہے ڈھنگ

سامنا ماں باپ کا کرنے لگا / ہمسری کا ان کی دم بھرنے لگا

حق تو ان کے اس سے کیا ہوتے ادا / اور ناراض ان کو وہ رکھنے لگا

تھیں ادائیں اس کی اکثر ناپسند / کارگر اس کو ملامت تھی نہ پند

جہل و نادانی کی تھیں طغیانیاں / رات دن کرتا تھا نافرمانیاں

اس کو صحبت تھی تو تھی اغیار سے / اس کی ملت تھی تو تھی انفار سے

شہر میں آوارہ کہلاتا تھا وہ / چوک میں پاتا تھا جب پاتا تھا وہ

خوف ہوتا تھا نصیحت کا جہاں / جا کے بھولے سے نہ پھرتا تھا وہاں

پند سے ناصح کی نفرت تھی اسے / سائے سے اچھوں کے وحشت تھی اسے

گھر میں آ اک سے لڑ جاتا تھا وہ / باتوں باتوں میں بگڑ جاتا تھا وہ

نفس پر اپنے نہ کر سکتا تھا جبر / نام کو اس میں تحمل تھا نہ صبر

دل پہ قابو زینہار اس کو نہ تھا / اور زباں پر اختیار اس کو نہ تھا

جو وہ کرتا تھا اسے بھرتے تھے سب / اس سے چھوٹے اور بڑے ڈرتے تھے سب

اصل میں کچھ بد نہ تھی اس کی سرشت / کر دیئے تھے جہل نے اطوار زشت

گو نہ مطلق آدمیت اس میں تھی / پر جھلکتی قابلیت اس میں تھی

بد چلن تھا پر نہ تھی طینت بری / فطرت اچھی تھی مگر عادت بری

چڑھ رہا تھا اس پہ بدصحبت کا زنگ لگ رہا تھا روشن آئینہ کو زنگ
ذات میں اس کی شرارت تھی نہ شر ہو گیا تھا بد بدوں میں بیٹھ کر

جب گئی حالت بگڑ حد سے سوا
آ گیا دم ناک میں ماں باپ کا

باپ نے اک روز گھر میں بیٹھ کر یوں کہا بیٹے سے اے جانِ پدر
یاد ہیں وہ دن بھی تم کو یا نہیں جب کہ یہ رعنائیاں تم میں نہ تھیں
جب خبر اپنی نہ تھی کچھ آپ کو جانتے تھے تم نہ ماں اور باپ کو
پاسباں تھے آپ کے ماں باپ جب گوشت کا اک لوتھڑا تھے آپ جب
ہاتھ اور بازو یہ سب بیکار تھے سخت بےبس تھے تم اور لاچار تھے
آنکھ سے چڑیا چھڑا سکتے نہ تھے منہ سے مکھی تک اڑا سکتے نہ تھے
آگ پانی میں نہ تھی تم کو تمیز تھا تمھیں زہر اور امرت ایک چیز
دل کا کہہ سکتے نہ تھے تم مدعا جانتے تھے کچھ نہ رونے کے سوا
بھوکے یا پیاسے اگر ہوتے تھے تم کچھ نہ کہتے تھے مگر روتے تھے تم
ہم سمجھ لیتے تھے لیکن مدعا بھوک کا رونا ہے یا ہے پیاس کا
پیاس میں مضطر جو پاتے تھے تمھیں بن کے پانی پلاتے تھے تمھیں

بھوک میں گر دیکھتے تھے بیقرار — دودھ تھے تم کو پلاتے بار بار

روپ سے تھے معلوم ساری آپ کے — ہم سمجھتے تھے اشارے آپ کے

تم کو کچھ تکلیف ہوتی تھی اگر — خود بخود تھی دل کو ہوجاتی خبر

چین ہوجاتا تھا سارا برطرف — پھرتے تھے بیتاب دوڑی ہر طرف

ہوتے تھے بیمار دور از حال جب — رات دن سہتی تھی ماں رنج و تعب

بارہا آنکھوں میں کٹ جاتی تھی رات — اک بلا آتی تھی جب آتی تھی رات

ناز اٹھاتے تھے طبیبوں کے سدا — ڈھونڈتے پھرتے تھے شربت اور دوا

عامل اور سیانوں نے جو مانگا دیا — منہ نہ پیسے کا کبھی ہم نے کیا

چاہتے تھے تم کو خوش آٹھوں پہر — تم ہنسو رہے اور بنی یاں جان پر

ہم پہ گزریں کیسی کیسی سختیاں — گزریں دشمن پر نہ ایسی سختیاں

آ گئی خدمت ہماری یاد جب
ہوگئے تم خود صاحب اولاد جب

سن تمہارا جب زیادہ کچھ ہوا — پھر پڑھانے کا ارادہ کچھ ہوا

اک معلم رکھا اور اک خوشنویس — یاد ہوگی تم کو ان دونوں کی فیس

گرچہ تھی تاکید دونوں کی شدید — پر نہ دی تم نے کبھی ان کو رسید

تم کو کب فرصت تھی کو دوا در پھاندکر | بھاگ گئے تھے تم نوشت اور خواند کر
مفت کی تنخواہ وہ پاتے رہے | نام کو ہر روز یاں آتے رہے

تم نے آخر جب نہ کچھ پڑھ کر دیا
دے کے کچھ دونوں کو رخصت کر دیا

جب ہوئے فضلِ الٰہی سے جواں | سر پہ شادی کا چڑھا بارِ گراں
منگنیاں ہوتی ہیں اکثر قوم میں | بیاہ ہوتے ہیں برابر قوم میں
کچھ بہت درکار زیور ہے نہ نقد | ہوتے اک شربت کے پیالے پہ ہیں عقد
گر کفایت سوچتے کچھ خرچ میں | بیاہ دیتے بس یونہی ہم بھی تمھیں
اپنے دل میں پر یہی ہم نے کہا | ایک بیٹا اور وہ بھی لاڈلا
گو تمام املاک بک جائے مگر | خرچ کیجے بیاہ میں دل کھول کر
کی اگر یاں بھی کفایت پر نگاہ | اور ہم کو کون سے کرنے ہیں بیاہ
وقت یہ آنے نہیں پھر بار بار | کل خزاں ہے آج اگر یاں ہے بہار
ہے فراغت اور عسرت ساتھ ساتھ | کرلیں کچھ ہم بھی کہ اب چلتا ہے ہاتھ
ٹھان کر یہ جی میں دی شادی رچا | اپنے سے جو ہو سکا سب کچھ کیا
کی نہ دینے میں کفایت پر نظر | جس کو دینا تھا دیا دل کھول کر

اگلی اور پچھلی پُرانی اور نئی
شہر کی املاک ساری بک گئی

رہن تھے جو گاؤں شادی میں کئے
آج تک بیچین ہوں ان کے لئے

ہو بہت ان کے چھڑانے کا خیال
پر بظاہر ان کا چھٹنا ہے محال

مال اور جاں سے زیادہ کوئی چیز
آدمی کو یاں نہیں ہوتی عزیز

جان سے بھی ہم رہے خدمت گزار
مال بھی ہم نے کیا تم پر نثار

تم نے جو چاہا کھلایا وہ تمہیں
تم نے جو مانگا پہنایا وہ تمہیں

گھوڑی چڑھنے کے لئے تم کو دیئے
رکھے خدمتگار خدمت کے لئے

خوب تم نے قدر کی ماں باپ کی
خوب خدمت کی ہماری داد دی

باپ کا تم کو ادب اصلا نہیں
ماں کی خدمت کی تمہیں پروا نہیں

گھر میں دو دو دن نہیں آتے ہو تم
آتے ہو اک اِک سے لڑ جاتے ہو تم

لوگ شاکی ہیں تمہارے جا بجا
خود بُرا کہہ کہہ کے سُنتے ہو بُرا

ہم پہ سب ہنستے ہیں اشراف و ذلیل
کر دیا تم نے تو ہم کو بھی ذلیل

کر چکا تھا قرض پہلے ہی زبوں
اور تم نے کر دیا عزت کا خوں

مُنہ نہیں ہوتا کسی کے روبرو
خاک میں تم نے ملا دی آبرو

باپ کا تم جانتے ہو اپنے حال قرض میں جکڑا ہوا ہی بال بال

ہاتھ میں زر ہی نہ بازو میں ہے زور مار کر فکروں نے کر ڈالا ہے بھور

کام کی باقی نہیں اپنے میں تاب مدّتوں سے دی چکی ہمت جواب

آپ میں ہوتا اگر کچھ حوصلہ آدمیت کا تھا اب یہ مقتضے

سر پہ لیتے اپنے گھر کا بوجھ تک باپ کو فکروں سے کر دیتے سبک

ہم رہے جیسے فدا تم پر مدام تم بڑھاپے میں ہمارے آتے کام

ہم بھی یاں سُکھ پاتے کچھ اولاد کا
نام چلتا دیکھتے اجداد کا

خیر اب ہم کو تو یاں رہنا ہے کم کوئی دن کے اور ہیں مہمان ہم

پر تمھیں ہے کاٹنی اک عمر یاں ہو ابھی فضلِ الٰہی سے جواں

اب بھی اپنی حرکتوں سے باز آؤ ڈھیل پر بازیِ دوراں کی نہ جاؤ

بس گئیں حد سے گزر رسوائیاں کب تلک آخر یہ بے پروائیاں

نازو نعمت کا زمانہ ہو چکا خواب و غفلت کا زمانہ ہو چکا

گردشِ گردوں ہی ہر دم گھات میں شاطرِ دوراں ہی فکرِ مات میں

ہاتھ سے جا کر نہیں آتا ہے وقت دیکھو بھائی ہاتھ سے جاتا ہے وقت

جلد دوم

گر رہے اب بھی یونہی تم نادرست	خود زمانہ تم کو کردے گا درست
گردشیں دنیا کی نکال ایک ایک بل	ٹھوکریں کھا کھا کے جاؤگے سنبھل
پھر سنبھلنا واں یہ کس کام آئے گا	جب سنبھلنے سے نہ سنبھلا جائے گا
ہو گی اُڑنے کی ہوس تم کو مگر	ہوں گے اُڑنے کے نہ اس دم بال و پر
عقل ہو گی پر نہ ہو گا اقتدار	عزم ہو گا پر نہ ہو گا اختیار

جب کہ گیتی رنگ یہ دکھلائے گی
تب ملامت باپ کی یاد آئے گی

حالی

۸۷۔ ترکِ دُنیا

کل ایک تارکِ دُنیا سے میں نے پوچھا ذوق	کہ تو اکھڑ کے اِدھر سے اُدھر ہوا پیوست
گزرتی ہوگی بآرام زندگی تیری	کہ تجھکو اب نہ غمِ نیست ہے نہ شادیِ ہست
کہا یہ اس نے کہ قیدِ حیات میں انساں	کبھی نہ ہوگا دل آسودہ گو ہو مست الست
اُٹھائے ہاتھ جہاں سے ولیک کیا امکاں	کہ با فراغ کروں کنجِ عافیت میں نشست
چھٹا جو کوئی گرفتاریوں سے دُنیا کی	تو سلسلہ میں فقیری کے پھر ہوا پابست
رہا وہ خدمتِ مُرشد کی قید میں برسوں	کہ حق پرست ہو وہ پہلے جو ہو پیر پرست

گر ایک عمر میں پہنچا مقام اعلےٰ پر — کہا یہ شوق نے ہو ہمت بلند نہ پست — جلد دوم

جو دستگاہ تصوف میں بھی ہوئی اس کو — تو یہ ارادہ رہا اور بھی ہوں بالا دست

ہمیشہ جنگ رہی بعد صلح کُل کے بھی — کہ نفس دشمن سرکش ہے اس کو دیجے شکست

جو ہوشیار ہے تو وہ ہے شرع کا پابند — پھنسا ہوا ہے وہ کیفیتوں میں گر ہے مست

نہیں ہے دام علائق سے مطلق آزادی — مجال کیا کہ نکل جاوے کوئی کر کے جست

کہا ہے خوب کسی نے یہ شعر برجستہ — گیا زباں سے نکل اس کے جیسے یہ ازشست

که کرد قطع تعلق کدام شد آزاد

بریدہ زہمہ با خدا گرفتار ست

ذوق

۸۸۔ توکّل

گو مالک ملک و مسند و تاج نہیں — پر مجھ سا غنی جہان میں آج نہیں

صد شکر اے رند اپنے خالق کے سوا — دنیا میں کسی غیر کا محتاج نہیں

رند

راضی ٹک آپ کو رضا پر رکھیے — مائل دل تنگ کو قضا پر رکھیے

بندوں سے تو کچھ کام نہ نکلا اے میر — سب کچھ موقوف اک خدا پر رکھیے

میر

جلد دوم

۸۹۔ میرا خدا میرے ساتھ ہے

رات ہو دن ہو شام ہو کہ سحر ہے ہمیشہ مری خدا پہ نظر
نہ اندھیری میں کوئی خوف و خطر نہ اُجالے میں ہے کسی کا ڈر

کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

چاندنی ہو کہ گُپ اندھیرا ہو شام کا وقت یا سویرا ہو
لیک پُر ہول دل نہ میرا ہو مینہ نے آندھی نے مجھکو گھیرا ہو

کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

سخت اندھیاؤ کا چلے جھوکا جب کہ طوفان کا ہو سنّاٹا
میرے دل میں نہ خوف ہوا صلا جڑ سے پیڑوں کو دے اُکھیڑ ہوا

کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

شب کو گرتے ہیں جیسے انگارے ٹوٹ کر آسمان سے تارے
میں نہ گھبراؤں خوف کے مارے وہم کرتے ہیں لوگ بیچارے

کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

دم ہو ایسی کہ چھوٹتا ہے انار جب ستارہ طلوع ہو دُمدار

سب پہ طاری ہوں خوف کے آثار میرے بھائیو مگر نہ ہو زنہار
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

میری رستہ میں ہو اگر میدان یا پرانا کھنڈر کوئی سنسان
کوئی مرگھٹ ہو یا ہو قبرستان نہ خطا ہوں وہاں میرے اوسان
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

ہو بیابان میں گزر میرا یا سمندر پہ ہو سفر میرا
دور رہجائے مجھسے گھر میرا ہے پھر بھی قوی جگر میرا
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

جب کہ دریا میں آئے طغیانی اور ہاتھی ڈباؤ ہو پانی
پار کھیوا نہ ہو بہ آسانی مجھکو اندیشہ ہو نہ حیرانی
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

لشکروں کی جہاں چڑہائی ہو شہسواروں نے باگ اٹھائی ہو
اور گھمسان کی لڑائی ہو واں بھی ہیبت نہ مجھ پہ چھائی ہو
کیوں کہ میرا خدا ہے میرے ساتھ

اسمٰعیل

۹۰۔ میرا پیارا دہنا ہاتھ

اتفاقات زمانہ کا ہوا میں جو شکار ‏ زندگانی مری افلاس نے کر دی دشوار
جستجو ایسے کسی دوست کی تب مجھکو ہوئی ‏ پاؤں انجام مرے کام مدد سے جس کی
کامیابی نہ ہوئی اس میں کسی طرح مجھے ‏ آشنا چلنے لگے آنکھ چرا کر مجھ سے
ہمنشیں کرنے لگے سب مری صحبت سے گریز ‏ غیر تو ایک طرف کرتے تھے اپنے پرہیز
تھا میری پاس سے دم بھر جنھیں جانا مشکل ‏ ہو گیا ان کو مرا پاس بٹھانا مشکل

بیکسی میں نہ کوئی جب پئے امداد آیا
عقل نے راہبری کی تو خدا یاد آیا

میں نے سوچا کہ ہو کیوں غیر کی پروا مجھکو ‏ چاہیئے رازقِ مطلق پہ بھروسا مجھکو
جا کے پھیلاؤں کسی دوست کے آگے کیا ہاتھ ‏ پاس ہے دوست مرا ایک مرا دہنا ہاتھ
میری امداد کرے گا یہی اس آفت میں ‏ ہے یہ وہ دوست کہ کام آتا ہے ہر حالت میں
کام غفلت سے جو بگڑے ہیں سنوارے گا یہی ‏ بحرِ افلاس میں ڈوبا ہوں ابھارے گا یہی
یہ خیال آتے ہی دل بڑھ گیا ہاتھوں میرا ‏ حوصلے دل کے دیئے ہمتِ عالی نے بڑھا

پھر کسی کام کے کرنے میں مجھے عار نہ تھی
پیش آئی کوئی مشکل تو وہ دشوار نہ تھی

نہ رہا شکوۂ کوتاہیِ قسمت مجھکو | لے اُڑی اوج پہ بے پر مری ہمت مجھکو

پھر وہی دوست جو کترا کے چلا کرتے تھے | آشنا وہ کہ نہ بھولے سے ملا کرتے تھے

ہمنشیں وہ کہ جنھیں ننگ تھی صحبت میری | اقربا وہ جنھیں بھاتی تھی نہ صورت میری

آشنائی کا اسی طرح سے دم بھرنے لگے | پھر زبانی وہ زر و مال فدا کرنے لگے

بیوفائی نہ کرے جو نہ کبھی چھوڑے ساتھ | دوست ہے وہ مرا پیارا یہ مرا دہنا ہاتھ

آسرا تو نہ یہاں اور کسی کا کرتا
اک فقط قوتِ بازو پہ بھروسا کرتا

سید علی حیدر زیدی

۱۹۔ مقصدِ زندگی

کیوں دردناک لفظوں میں کرتے ہو یہ کلام | انساں کی زندگی کا ہے خواب و خیال نام

جس خفتہ بخت سے نہ ہو تفریق اصل و نقل | سمجھو تم اس کی رنج کو مُردہ ہے لا کلام

ہے زندگی قدیم گنواؤ نہ اس کو مفت | مرنے کو یہ نہ سمجھو کہ ہے اس کا اختتام

تو خاک سے بنا ہے ملے گا تو خاک میں | تھا جسم کے لیے نہ کہ یہ روح کو پیام

منشا ہماری زیست کا یہ ہی فقط نہیں | رنج و خوشی کے ہو رہیں اور کچھ کریں نہ کام

ہر روز بلکہ شغلوں میں ایسے لگے رہیں | جس سے ترقیات زیادہ ہوں مدام

کرنا بہت ہی کام مگر وقت ہے قلیل — دل میں ہمارے گو نہیں خوف و خطر کا نام
تاہم دل کی طرح دھڑکتی ہیں دمبدم — اور موت کی خبر ہمیں دیتے ہیں صبح شام
دنیا کو سمجھو جنگ کا میدان دوستو — اور اس کے عیش جانو نہیں آرام کا مقام
تبنیہ چاہو تم نہ بہائم کے طور پر — مردوں کے مثل شوق سے ہو خود شریک لام
آئندہ وقت پر نہ بھروسا کرو کبھی — گزرے ہوئے زمانہ پہ بھیجا کرو سلام
لیکر خدا کا نام کرو حوصلہ بلند — موجودہ وقت کام میں لاؤ بعد نظام
بتلا رہے ہیں ہم کو بزرگوں کے واقعات — ہم بھی بنیں زمانہ میں یکتا و شاد کام
اور کام وہ کریں کہ جو مرنے کے بعد بھی — قایم رہیں جہان کا جب تک ہی قیام
بس ہو کے مستعد رہیں مصروف کار ہم — نقصان فائدہ کا مقدر سے کیں کام
جب تک کہ اس کو پورا نہ کرلیں نہ چھوڑیں ہم — محنت اٹھائیں صبر کریں عجز ہم مدام

(ترجمہ نظم انگریزی لانگ فیلو) — عجز

۹۲-کمال کامل

ملئے اس شخص سے جو آدم ہوئے — ناز اس کو کمال پر بہت کم ہوئے
ہو گرم سخن تو گرد کرے اک خلق — خاموش ہی تو ایک عالم ہوئے

میر

۹۳۔ فروتنی

نزدیک اپنے آپ کو جو کھینچتے ہیں دور — دیکھا تو صاف نہیں ہیں کچھ ان کے نزد قصور
ورنہ جو باصفا ہیں خردمند ذی شعور — کیا دخل ان کو آئے کبھی نخوت و غرور

رکھتے غبارِ کینہ سے وہ سینہ صاف ہیں
ہر نیک و بد سے صورتِ آئینہ صاف ہیں

کیا کیا جہاں میں ہو چکے شاہانِ ذی کرم — کس کس طرح سے رکھتے تھے ساتھ اپنے وہ حشم
آخر گئے جہاں سے تنہا سوئے عدم — دارا کہاں کہاں ہے سکندر کہاں ہے جم

کوئی نہ یاں رہا ہے نہ کوئی یہاں رہے
کچھ اے ظفر رہے تو نکوئی یہاں رہے

ظفر

۹۴۔ آزمائش

کیا کلام یہ سودا سے ایک عاقل نے — کسی سے ربط کوئی زیرِ آسماں نہ کرے
کیا جو تجربہ ان دوستوں کو بد پایا — بدی کا جن پہ کسی طرح دل گماں نہ کرے
یہ سن کے اس سے کہا مسکرا کے سودا نے — شکایت اتنی کسی کی کوئی بیاں نہ کرے

بھلے بُرے کے تجھے امتحاں سے ہی کیا کام
یہ شکر کر کہ تجھے کوئی امتحاں نہ کرے

سودا

۹۵ ۔ غصہ ضبط کرنا

دل میں جب کوندجائے برقِ غضب — اور طبیعت ہو انتقام طلب
اس خطرناک راہ میں جو مَرد — کر سکے آتشِ غضب کو سرد
ڈانٹ کر دیو نفس کو لے تھام — اور نہ لائے زباں پہ سخت کلام
مشورت عقل کی سُنے اس دم
ہے وہی اپنے وقت کا رُستم

اسمٰعیل

۹۶ ایمانداری

ایک لڑکا ہی بڑا ایماندار — آزمائش ہو چکی ہے چند بار
ایک دن وہ نیک دل او رباحیا — اپنے ہمسایہ کے گھر میں تھا گیا
آدمی بالکل نہیں واں نام کو — کیونکہ ہمسایہ گیا ہے کام کو
تازہ تازہ بیر ڈلیا میں بھرے — بے حفاظت گھر کے اندر ہیں دھرے

لیکن اس نے بیر کو چھیڑا نہیں — ہو نہ جائے شبہ چوری کا کہیں
آگیا اتنے میں ہمسایہ وہاں — کھیل میں مصروف ہو لڑکا جہاں
اپنے بیروں میں نہ پائی کچھ کمی — ہو کے خوش لڑکے سے بولا آدمی
بیر یہ تم نے چرائے کیوں نہیں — کیوں چراتا، چور تھا کیا میں کہیں
چور جب بنتے کہ کوئی دیکھتا — دیکھنے کو میں ہی خود موجود تھا
کچھ برائی آپ میں گر پاؤں میں — پانی پانی شرم سے ہو جاؤں میں

واہ واہ شاباش لڑکے واہ واہ
تو جواں مردوں سے بازی لے گیا

اسمٰعیل

۹۷۔ قدرِ فرصت

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے — فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے — اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

حالیؔ

۹۸. محنت کرو محنت کرو

ہے امتحاں سر پر کھڑا محنت کرو محنت کرو
باندھو کمر بیٹھے ہو کیا محنت کرو محنت کرو

بیشک پڑھائی ہے سوا اور وقت ہے تھوڑا رہا
ہے ایسی مشکل بات کیا محنت کرو محنت کرو

محنت کرو انعام لو انعام پر اکرام لو
جو چاہو گے بل جائیگا محنت کرو محنت کرو

جو بیٹھ جائیں ہار کر کہدو انھیں للکار کر
ہمت کا کوڑا مار کر محنت کرو محنت کرو

تدبیریں ساری کہ چکے باتوں کے دریا بہ چکے
بک بک سے اب کیا فائدہ محنت کرو محنت کرو

محنت جو کی جی توڑ کر ہر شوق سے منہ موڑ کر
کر دوگے دم میں فیصلہ محنت کرو محنت کرو

کھیتی ہو یا سوداگری ہو بھیک یا ہو چاکری
سب کا سبق یکساں سنا محنت کرو محنت کرو

جس دن بڑی تم ہو گئی دنیا کے دھندوں میں پھنسے
پڑھنے کی پھر فرصت کہاں محنت کرو محنت کرو

بچپن رہا کس کا سدا انجام کو سوچو ذرا
یہ تو کہو کھاؤ گے کیا محنت کرو محنت کرو

آزاد

۹۹ کوشش کیے جاؤ

جو پتھر پہ پانی پڑے متصل ۔ تو بے شبہ گھس جائے پتھر کی سل
رہوگے اگر تم یونہی مستقل ۔ تو اک دن نتیجہ بھی جائے گا مل
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

نہ تم ہچکچاؤ نہ ہرگز ڈرو ۔ جہاں تک بنے کام پورا کرو
مشقت اُٹھاؤ مصیبت بھرو ۔ طلب میں جیو جستجو میں مرو
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

جو بازی میں سبقت نہ لیجاؤ تم ۔ خبردار ہرگز نہ گھبراؤ تم
نہ ٹھٹکو نہ جھجکو نہ پچتاؤ تم ۔ ذرا صبر کو کام فرماؤ تم
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

تردد کو آنے نہ دو اپنے پاس ۔ ہے بیہودہ خوف اور بیجا ہراس
رکھو دل کو مضبوط قایم حواس ۔ کبھی کامیابی کی چھوڑو نہ آس
کیے جاؤ کوشش مرے دوستو

کرو شوق و ہمت کا جھنڈا بلند ۔ کہ اولوالعزم ہوں کامند

اگر صبر سے تم سہو گے گزند   تو کہلاؤ گے ایک دن فہمند
کئے جاؤ کوشش مرے دوستو

اسمٰعیل

۱۰۰ ایک وقت میں ایک کام

ہے کام کے وقت کام اچھا   اور کھیل کے وقت کھیل اچھا
جب کام کا وقت ہو کرو کام   بھولے سے بھی کھیل کا نہ لو نام
ہاں کھیل کے وقت خوب کھیلو
کودو پھاندو کہ ڈنڈ پیلو

خوش رہنے کا ہے یہی طریقہ   ہر بات میں چاہیئے سلیقہ
ہمت کو نہ ہار یو خدارا   مت ڈھونڈیو غیر کا سہارا
اپنے بوتے پہ کام کرنا
مشکل ہو تو چاہیئے نہ ڈرنا

جو کچھ ہو سو اپنے دم قدم سے   کیا کام ہے غیر کے کرم سے
چھوڑو نہیں کام کو ادھورا   بیکار ہے جو ہوا نہ پورا
ہر وقت میں صرف ایک ہی کام
پا سکتا ہے بہتری سے انجام

جب کام میں اور کام چھیڑا دونوں ہی میں پڑ گیا بکھیڑا

جو وقت گزر گیا اکارت افسوس ہوا خزانہ غارت

ہے کام کے وقت کام اچھا

اور کھیل کے وقت کھیل اچھا

اسمٰعیل

۱۰۱۔ شرکتِ محفل

تو ہمیشہ رہتا ہے چیں بر جبیں افسردہ دل پھر کسی کی بزمِ عشرت میں نہ جا بہرِ خدا

خود ہی اپنی جاں سے ہے بیزار تو انصاف کر تجھ سے اہلِ بزم پھر کس طرح خوش ہوں گے بھلا

چاہیئے اس طرح جانا محفلِ احباب میں باغ میں جس طرح خوش خوش آتی ہے بادِ صبا

خیر مقدم کا اشارہ جھوم کر کرتی ہے شاخ اور چٹک کر دیتی ہیں کلیاں صدائے مرحبا

جس شجر کے پاس سے گزری لگا وہ جھومنے پہنچی جس غنچے تک افسردہ تھا وہ ہنسنے لگا

دل پہ جو گزری وہ گزرے کیوں کسی کو ہو خبر سب سے بڑھ کر ہے خدا تو حالِ دل کا جانتا

شادی و غم جب کہ دونوں ہیں جہاں میں بے ثبات

وقت اپنا کاٹ دے ہنس بول کر مردِ خدا

حالیؔ

۱۰۲۔ آدابِ محفل

جائے گر محفل میں تو اے مہرباں
بیٹھ اپنے مرتبہ سے تو وہاں

اور نہ مسند پر یکایک بیٹھ جا
تا اُٹھا دیوے نہ کوئی دوسرا

خندہ زن ہرگز نہ ہو ہر بات پر
قدر کم ہوتی ہے خفت بیشتر

اور اپنی واں شنا خوانی نہ کر
دیدہ و دانستہ نادانی نہ کر

کر نہ تو تعریف محفل میں اخی
اپنی تصنیفات اور فرزند کی

محفلِ غم میں نہ کر ذکرِ سرور
زہر میں شکر ملانا کیا ضرور

ہو کہیں گر محفلِ شادی عیاں
کر نہ غم کا ذکر واں اے نکتہ داں

اور لوگوں کا نہ کر قطع کلام
تھام شمشیرِ زباں کو اپنی تھام

ریش سے بازی نہ کر اے ارجمند
اپنے کو ہے خود بنانا ریش خند

اور نہ چٹخا انگلیوں کو بار بار
ہے زبوں یہ فعل سُن اے ہوشیار

کہہ دیئے ہیں قادری تجھ سے یہ سب
بیٹھ محفل میں تو ہر دم با ادب

مشائین

۱۰۳۔ اللہ آبروسے رکھے اور تندرست

ہیں مرد تو وہی کہ ہے جن کا کہ فن درست　　حرمت ہی ان کے واسطے جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا مال دھن درست　　دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبروسے رکھے اور تندرست

دنیا میں اب انھیں کے تئیں کہئے بادشاہ　　جن کے بدن درست ہیں دن رات سال و ماہ
جن پاس تندرستی و حرمت کی ہو سپاہ　　بڑھ کر پھر ان سے کونسی دولت ہی واہ واہ

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبروسے رکھے اور تندرست

جو گھر میں اب امیری و حشمت پناہی ہی　　بن تندرستی سب وہ خرابی تباہی ہی
یہ تندرستی یارو بڑی بادشاہی ہی　　سچ پوچھئے تو مین یہ فضلِ الٰہی ہی

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہی سخن درست
اللہ آبروسے رکھے اور تندرست

گر دولتوں سے اس کا بھرا ہے تمام گھر　　بیمار ہی تو خاک سے بدتر ہے سب وہ زر

جلد دوم ہو تندرست گرچہ یہ مفلس ہو سر بسر پھر نہ کسی کا خوف نہ ہرگز کسی کا ڈر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اس میں تمام ختم ہیں عالم کی خوبیاں ہو تندرست اور ملے حرمت سے نیم ناں
قسمت سے گر یہ دونوں میسر ہوں پھر تو یاں بس ایسی اور کونسی نعمت ہے میری جاں

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

قدرت سے یہ جو تن کی بنی ہے ہر ایک کل جبتک کہ کل بنی ہے تبھی تک پڑی ہے کل
گر ہو خدانخواستہ اک کل بھی چل بچل پھر نہ خوشی نہ عیش نہ کچھ زندگی کا پھل

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

اعلیٰ ہو یا کہ ادنیٰ تونگر ہو یا فقیر یا بادشاہ شہر کا یا ملک کا امیر
ہے سب کو تندرستی و حرمت ہی دل پذیر جو تو نے اب کہا سو یہی سچ ہے اے نظیر

جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تندرست

ایضاً

بالخیر

ضمیمہ
جلد دوم

معارفِ ملت

جلد دوم

ضمیمہ

شعرا اور اُن کا کلام

استدعا۔ ذیل میں شعرا کے متعلق جو جو حالات دریافت طلب ہیں اگر کوئی صاحب ان سے مطلع فرمائیں گے تو باعثِ مشکوری ہوگا۔ اُمید کہ طبع ثانی میں کل حالات مکمل ہو جائیں گے

صفحہ

۱۔ آزاد — سید محمد حسین صاحب

ولادت سنہ ۱۸۳۱ء وطن دہلی وفات سنہ ۱۹۱۰ء مدفن لاہور

(۲۶) حب وطن ۲۶

صفحہ

جلد دوم ۲- اسمٰعیل مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۴۴ء وطن میرٹھ وفات ۱۹۱۷ء مدفن میرٹھ

صفحہ ضمیمہ جلد دوم

ضمیمہ جلد دوم

۵۔ امیر   منشی امیر احمدؐ مینائی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۴۴ھ   وطن لکھنؤ   وفات ۱۳۱۸ھ   مدفن حیدرآباد

۶۔ انیس   میر ببر علی صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۱۶ھ وطن لکھنؤ وفات ۱۲۹۱ھ مدفن لکھنؤ

۷۔ ترمذی سید سراج الحسن صاحب

ولادت وطن الہ آباد

۸۔ حالی خواجہ الطاف حسین صاحب مرحوم

ولادت ۱۸۳۷ء وطن پانی پت وفات ۱۹۱۴ء مدفن پانی پت

ضمیمہ جلد دوم

صفحہ

۹۔ درد خواجہ میر صاحب مرحوم

ولادت ۱۱۳۱ھ وطن دہلی وفات ۱۱۹۹ھ مدفن دلی

۱۰۔ دیوانہ محمد فاروق صاحب ام ایس سی (علیگ)

ولادت وطن گورکھپور

۱۱۔ ذوق شیخ محمد ابراہیم صاحب مرحوم

ولادت ۱۲۰۴ھ وطن دلی وفات ۱۲۷۱ھ مدفن دلی

۱۲۔ راسخ شیخ غلام علی صاحب مرحوم

ضمیمہ	ولادت	وطن ولی	وفات	مدفن رنگون	صفحہ

۲۱۔ ظہیری

۲۲۔عاشق

۲۳۔ عجز علی الدینصاحب

ولادت وطن

۲۴۔معظم

۲۵۔ ممتاسز

صفحہ ضمیمہ جلد دوم

پروفیسر الیاس برنی کی اُردو کتابیں

معاشیات

(۱) **علم المعیشت۔** اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی نہایت مستند اور جامع کتاب ہے۔ مشکل سے مشکل معاشی اُصول و مسائل کو ایسے سلیس اور دلچسپ پیرایہ میں بیان کیا ہے کہ کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف مضامین بخوبی ذہن نشین ہو جاتے ہیں بلکہ خاصی تفریح حاصل ہوتی ہے۔ خوبی مضامین کی بدولت ہندوستان کے ہر حصہ میں یہ کتاب ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو رہی ہے۔ لطف یہ کہ یونیورسٹیوں میں اکنامکس کے متعلم بیسیوں ضخیم انگریزی کتابوں کو چھوڑ کر اس کو بہت شوق سے پڑھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اقبال (جو خود بھی معاشیات کے بڑے عالم ہیں) تحریر فرماتے ہیں کہ "آپ کی کتاب علم المعیشت اُردو زبان پر ایک احسانِ عظیم ہے۔ اور مجھے یہ کہنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ اکنامکس پر اُردو میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے اور ہر لحاظ سے مکمل ہے"۔ ضخامت تقریباً ۹۰۰ صفحہ۔ خوشنما جلد۔ سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو

شائع ہوئی ہے۔ قیمت چار روپیہ (للعہ)

(۲) **معیشت الہند**۔ ہندوستان کے گوناگوں معاشی حالات جن کا جاننا ملک کی اصلاح و ترقی کے واسطے از حد ضروری ہے، کافی تحقیق اور تنقید کے بعد بہت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ یہ بھی اردو زبان میں اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ علم المعیشت میں معاشیات کے جو اصول و مسائل بیان ہوئے ہیں، اس کتاب کے ذریعہ سے ان کا ہندوستان میں عملدرآمد دکھایا گیا ہے یہ دونوں کتابیں جامعۂ عثمانیہ کی بی اے کلاس کے نصاب میں داخل ہیں ضخامت تخمیناً.. ۸ صفحہ خوشنما جلد منجانب جامع عثمانیہ شایع ہوگی تیار ہو رہی ہے۔

(۳) **مالیات**۔ پبلک فنانس پر اردو زبان میں یہ بھی سب سے پہلی مستند اور جامع کتاب ہے مہذب اور ترقی یافتہ سلطنتوں کے ہاں آمدنی کے کیا کیا ذرایع اور خرچ کی کیا کیا مدیں ہیں اور محاصل و مصارف کا انتظام کس نہج پر قائم ہے سلطنتوں کی مالی ترقی اور مرفہ الحالی کے کیا اسباب ہیں اور ان کا کیوں کر عملدرآمد ہوتا ہے یہ تمام دقیق اور اہم مباحث نہایت سلیس اور دلچسپ طرز پر علمی پیرایہ میں پیش کیے ہیں۔ ہندوستان کے قومی رہبروں اور رئیسوں کو اس کتاب کا مطالعہ بہت مفید بلکہ از حد ضروری ہے۔ ضخامت تخمیناً..۵ صفحہ۔ خوشنما جلد (زیر تالیف)

(۴) **مقدمۃ المعاشیات** - مورلینڈ صاحب کی انگریزی کتاب انٹرڈوکشن ٹو اکنامکس (Introduction to Economics) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں معاشیات کے ابتدائی اُصول و مسائل بیان کئے گئے ہیں - یہ کتاب جامع عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی ضخامت تقریبًا ۵۰۰ صفحہ مجلد - منجانب جامع عثمانیہ شایع ہو گی -

(۵) **ہندوستانی معاشیات** - مسٹر پرمتھ ناتھ بنرجی کی انگریزی کتاب انڈین اکنامکس کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر ہندوستان کے معاشی حالات بیان کیے گئے ہیں - یہ کتاب جامع عثمانیہ کی ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی - ضخامت تقریبًا ۵۰۰ صفحہ مجلد - منجانب جامع عثمانیہ شایع ہو گی

(۶) **برطانوی حکومتِ ہند** - انڈرسن صاحب کی انگریزی کتاب برٹش اڈمنسٹریشن ان انڈیا (British Administration in India) کا سلیس اور بامحاورہ اُردو ترجمہ جس میں مختصر طور پر حکومتِ ہند کا طریق بیان کیا گیا ہی - یہ کتاب بھی جامع عثمانیہ میں ایف اے کلاس کے نصاب میں داخل ہی - ضخامت تقریبًا ۲۵۰ صفحہ مجلد - منجانب جامع عثمانیہ شایع ہو گی

سلسلۂ منتخبات نظم اُردو

اِس سلسلہ سے اُردو شاعری کی ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہی عجیب و غریب انتخاب ہی گویا شعر و سخن کے چمن کھلے ہوئے ہیں جن کے رنگ و بُو سے دل و دماغ بلکہ روح کو تفریح ہوتی ہی ملک میں یہ سلسلہ جس قدر پھیلے کم ہی ہر جلد کی ضخامت تقریباً ۱۷۵ صفحہ ہی۔

(۱) معارفِ ملّت حمد و نعت، مناجات اور اخلاقی و قومی نظموں کا گلدستہ جلد اوّل و دوم مجلد قیمت فی جلد (عہ؍)

(۲) معارفِ ملت " " " (زیر ترتیب) جلد سوم مجلد قیمت (عہ؍)

(۳) جذباتِ فطرت۔ دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اُسنے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہی۔ جلد اوّل و دوم مجلد قیمت فی جلد (عہ؍)

(۴) جذباتِ فطرت۔ " " " (زیر ترتیب) جلد سوم مجلد قیمت (عہ؍)

(۵) مناظرِ قدرت۔ اوقات، مقامات، مخلوقات اور واقعات کی تصاویر کا دلکش مرقع جلد اول و دوم مجلد قیمت فی جلد (عہ؍)

(۶) مناظرِ قدرت " " " (زیر ترتیب) جلد سوم مجلد قیمت (عہ؍)

طالبانِ حق کو مژدہ

اَسرارِ حق

آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، اقوال صدیقین ارشادات ائمۂ دین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا جامع اور نہایت مربوط انتخاب جس سے حقایق اسلام اظہر من الشمس ہو جاتے ہیں۔ معارف کی تحقیق و تصدیق میں غالباً اپنے طرز کی یہ پہلی کتاب ہے۔ دقت مضمون اور نزاکت بیان کی وجہ سے یہ کتاب زیادہ تر علماء و عرفا اور محققین کے واسطے موزوں اور مقصود ہے حجم تخمیناً ۲۰۰ صفحہ۔ مجلد قیمت (عہ) تیار ہو رہی ہے۔ فرمائشات پیشگی درج رجسٹر ہو سکتی ہیں (اس کتاب کے نیز سلسلہ منتخبات نظم کے)

ملنے کا پتہ

محمد مقتدیٰ خاں شروانی

علی گڑھ